پاکستان میں سول ملٹری تعلقات کی صورت حال

01 جون، 2015 تا 31 جولائی، 2016

پلڈاٹ
پاکستان انسٹیٹیوٹ آف
لیجسلیٹو ڈویلپمنٹ
اینڈ ٹرانسپیرنسی

پاکستان میں سول ملٹری تعلقات کی صورت حال

01 جون، 2015 تا 31 جولائی، 2016

پلڈاٹ
پاکستان انسٹیٹیوٹ آف
لیجسلیٹو ڈویلپمنٹ
اینڈ ٹرانسپیرینسی

پلڈاٹ، خودمختار، غیر جانبدار اور بلامنافع بنیادوں پر کام کرنے والا ایک پاکستانی تحقیقی اور تربیتی ادارہ ہے جس کا مقصد پاکستان میں جمہوریت اور جمہوری اداروں کا استحکام ہے۔

پلڈاٹ، پاکستان کے سوسائٹیز رجسٹریشن ایکٹ مصدرہ 1860ء (قانون نمبر 21 بابت 1860ء) کے تحت، بلامنافع کام کرنے والے ایک ادارے کے طور پر رجسٹرڈ ہے۔

کاپی رائٹ: پاکستان انسٹیٹیوٹ آف لیجسلیٹو ڈویلپمنٹ اینڈ ٹرانسپرنسی۔ پلڈاٹ

جملہ حقوق محفوظ ہیں

پاکستان میں شائع کردہ

اشاعت: اکتوبر 2016
آئی ایس بی این: 978-969-558-595-8

اس اشاعت کا کوئی بھی حصہ پلڈاٹ کے واضح حوالے کے ساتھ استعمال کیا جاسکتا ہے۔

تعاون

ایمبیسی آف ڈنمارک
DANIDA | انٹرنیشنل ڈویلپمنٹ کوآپریشن

پاکستان انسٹیٹیوٹ آف لیجسلیٹو ڈویلپمنٹ اینڈ ٹرانسپرنسی۔ پلڈاٹ
اسلام آباد آفس: PO Box 278، F-8، پوسٹل کوڈ 44220 اسلام آباد، پاکستان
لاہور آفس: PO Box 11098، LCCHS، پوسٹل کوڈ 54792، لاہور، پاکستان
Email: info@pildat.org / Website: http://www.pildat.org

مندرجات

پیش لفظ
خلاصہ

ٹائم لائن: پاکستان میں سول ملٹری تعلقات پر اثر انداز ہونے والی اہم پیش ہائے رفت: جون2015-- جولائی2016 13

پاکستان میں سول ملٹری تعلقات پر اثر انداز ہونے والی اہم پیش ہائے رفت 18
- سندھ میں سول ملٹری تناؤ 18
- بلوچستان میں سول ملٹری تعاون 27
- بدعنوانی پر پاکستانی مسلح افواج کی جانب سے اپنے عہدیداروں کے خلاف کارروائی 28
- نیشنل ایکشن پلان پر عملدرآمد پر اختلافات 29
- لاہور حملہ اور اس کے بعد پنجاب آپریشن 30
- آرمی چیف کی مدت ملازمت میں توسیع کا معاملہ 31
- قومی سلامتی کے انصرام میں ادارہ جاتی نظم کا فقدان 34
- (غلط) گمان کا پر تجسس معاملہ 36
- بین الاقوامی اور قومی سطح پر آرمی چیف کی بڑھتی ہوئی مقبولیت 39
- جنرل (ریٹائرڈ) پرویز مشرف کے خلاف بغاوت کا مقدمہ 43
- پاکستانی عدالتی نظام میں اصلاح کے لئے کوئی مثبت مہم نہیں: پاکستان میں فوجی عدالتیں 44

پاکستان میں سول ملٹری تعلقات کی بہتری کے لئے سفارشات 47

فہرست جدول

جدول1: ٹائم لائن: پاکستان میں سول ملٹری تعلقات پر اثر انداز ہونے والی اہم پیش ہائے رفت: جون2015-- جولائی2016 13
جدول2: چیف آف آرمی سٹاف سے جی ایچ کیو میں ملاقات کرنے والے غیر ملکی اکابرین: جون2015-- جولائی2016 40
جدول3: آرمی چیف کے غیر ملکی دورے: جون2015-- جولائی2016 42

فہرست اشکال

شکل1: یکم جون 2015 سے 31 جولائی 2015 تک صوبائی اپیکس کمیٹیوں اور صوبائی کابینہ ہائے کے اجلاسوں کا موازنہ 35
شکل2: پرائم منسٹر چیف آف آرمی سٹاف کے درمیان ملاقات: جون 31, 2015 تا جولائی 31,2016 36
شکل3: وزیر اعظم اور آرمی چیف میں ہونے والی ملاقاتیں: دسمبر2013-- جولائی 2016 38

حوالہ جات 51

پیش لفظ

اس بات پر یقین رکھتے ہوئے کہ پاکستان میں سول ملٹری آئینی مساوات، ملکی جمہوریت اور گورننس کے استحکام کے لئے بنیادی حیثیت کی حامل ہے، پلڈاٹ 2004 سے سول ملٹری تعلقات کا جائزہ لے رہا ہے۔

''پاکستان میں سول ملٹری تعلقات کی صورت حال: **جون 2015--جولائی 2016**'' میں جون 2015 تا جولائی 2016 کے عرصہ کے دوران، سول ملٹری تعلقات پر اثر انداز ہونے والے اہم واقعات پیش کئے جا رہے ہیں، اس عرصہ میں مئی 2013 میں منتخب ہونے والی موجودہ حکومت کا تیسرا سال بھی شامل ہے۔ اس رپورٹ میں سول ملٹری تعلقات سے متعلق چند علاقائی اور بین الاقوامی واقعات کا جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے۔

اظہار تشکر

اس رپورٹ کے لئے بنیادی معلومات کو مرتب کرنے کا کام اور اس کو تحریر جناب محمد سعد، پراجیکٹس مینیجر نے کیا ہے، جبکہ اس کام کی مجموعی رہنمائی، سرپرستی اور نظر ثانی، محترمہ آسیہ ریاض، جوائنٹ ڈائریکٹر اور جناب احمد بلال محبوب، صدر، پلڈاٹ نے کی۔

اس رپورٹ کو حتمی شکل دینے میں راہنمائی فراہم کرنے پر پلڈاٹ، ڈائیلاگ گروپ برائے سول ملٹری تعلقات کا شکر گزار ہے۔ تاہم ضروری نہیں کہ حتمی شکل اور ہیئت میں پلڈاٹ کی یہ رپورٹ، ڈائیلاگ گروپ کے تمام ارکان کی آرا کی مکمل عکاسی کرتی ہو۔

اظہار لاتعلقی

پلڈاٹ کی ٹیم نے اس رپورٹ کی تیاری میں عوامی طور پر دستیاب معلومات اور شائع شدہ مواد سے استفادہ کیا ہے۔ لہذا، کوئی سہو یا غلطی عمداً نہ ہوگی۔

اسلام آباد
اکتوبر 2016

خلاصہ

یکم جون 2015 سے 31۔جولائی 2016 کے عرصہ کے دوران پاکستان میں سول ملٹری تعلقات بنیادی طور پر دو خصوصیات کے حامل ہیں:

ا۔ موجودہ منتخب سول حکومت اور اسی طرح ماضی کی حکومتیں بھی' قومی اہمیت کے حامل معاملات پر مشاورتی عمل کو بروئے کار لاتے ہوئے قومی سلامتی کے انصرام کو ادارہ جاتی شکل دینے میں ناکام رہی ہیں۔ اس امر نے اس مشاہدہ کو تقویت دی ہے کہ منتخب حکومتیں' قومی سلامتی کے اہم امور پر موثر اور قابل فہم فیصلے کرنے میں نہ سنجیدہ ہیں اور نہ ہی منظّم ہیں۔

۲۔ فوجی قیادت یہ بات مسلسل محسوس کرتی چلی آ رہی ہے کہ قومی مفاد سے متعلق فیصلے کا حتمی فریضہ انہیں ہی ادا کرنا ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بعض اوقات اِن پٹ دینے اور معاملات کو ملک کی منتخب قیادت پر چھوڑنے کی بجائے اصرار کیا جاتا ہے کہ وہ ان معاملات جیسے بھارت' افغانستان' ایران اور امریکا اور سکیورٹی پالیسی سے متعلق قومی مفادات پر اپنی تشریح دیں۔

ان دونوں پہلوؤں کو 'سبب' اور 'اثر' کا عنوان تفویض کرنا مشکل ہے لیکن ہر دو ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔

پلڈاٹ اس امر پر یقین رکھتا ہے کہ فوج کو اس بات کے ادراک کی ضرورت ہے کہ قومی مفاد کے معاملات پر مختار کل منتخب حکومت ہے۔ پاکستان کے عوام نے انہیں ایسا کرنے کا مینڈیٹ دیا ہے۔ اگرچہ فوجی قیادت قومی سلامتی پر اپنے تحفظات رکھتی ہے اور اسے اپنے تحفظات اتنے موثر انداز سے ہر مناسب فورم پر پیش کرنے چاہئیں جتنا وہ کر سکتی ہے' تاہم حتمی فیصلے کا مینڈیٹ مکمل طور پر منتخب حکومت کے پاس ہی رہتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر منتخب حکومت اس سلسلے میں کوئی غلطی کرتی ہے تو اسے فیصلہ سازی کے عمل کو چیلنج کے طور پر لینا چاہیے۔ یہ وہ رسک ہے جس کا ماضی میں سول اور ملٹری ہر دو حکومتیں سامنا کر چکی ہیں۔

اسی طرح پلڈاٹ اس امر پر بھی یقین رکھتا ہے کہ منتخب حکومت کو بادشاہت کے لئے منتخب نہیں کیا گیا۔ اسے خاص طور پر نیشنل سکیورٹی اور اعلیٰ قومی مفادت سے متعلق سوالات پر فیصلہ سازی کیلئے مشاورتی نظام اپنانا چاہیے۔ یہ فیصلہ سازی مختلف انسٹی ٹیوشنل فریم ورکس کے ذریعے کی جانی چاہیے۔ اس کی بجائے ایسا لگتا ہے کہ ادارہ جاتی فیصلہ سازی تقریباً غیر فعال ہو کر رہ گئی ہے۔

نیشنل سکیورٹی کمیٹی' جو نیشنل سکیورٹی کے معاملات پر ملک کا اہم فیصلہ ساز ادارہ ہے' کے تقریباً غیر فعال ہونے سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ غیر فعالیت' سول اداروں جیسا کہ وفاقی کابینہ اور مشترکہ مفادات کونسل میں بھی نظر آتی ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ قومی مفادات کے معاملے پر مختلف سیاسی پارٹیوں میں بالعموم اور حکمران جماعت پاکستان مسلم لیگ۔نواز میں بالخصوص کوئی بامعنی مشاورت ہوتی دکھائی نہیں دیتی۔ اس لئے فیصلہ سازی کا عمل اتنا آمرانہ اور انوکھا ہوتا ہے کہ کیا جانے والا فیصلہ بمشکل ہی پُر اعتماد لگتا ہے۔ بعض اوقات کلیدی فیصلہ جات پر سنجیدہ تحفظات کا اظہار کیا جاتا ہے چونکہ وہ قومی مفاد کے نام پر سیاسی قیادت کے ذاتی مفاد یا حکمران پارٹی کے سیاسی مفادات کو مدنظر رکھ کر کئے جاتے ہیں۔

جون 2015 تا جولائی 2016 کے دوران پاکستان میں سول ملٹری تعلقات ہیجان کے ابتدائی عرصے کے طور پر آگے بڑھے ہیں اور اس کے نتیجے میں بے چینی اور تلخی پیدا ہوئی۔ یہ امر قابل افسوس ہے کہ پاکستان میں سول ملٹری تعلقات کی تشریح اس کہاوت سے کی جاسکتی ہے کہ ان میں جتنی بھی تبدیلی آجائے' وہ ویسے ہی رہتے ہیں۔

زیر غور عرصہ 2014 کے واقعات کی کڑی ہے۔ پی ٹی آئی اور پی اے ٹی نے اگست تا دسمبر 2014 دھرنا دیا جس میں جمہوری طور پر منتخب سیاسی قیادت کی عاجزی نظر آئی اور اسی طرح اہم پالیسی کی تشکیل اور روزمرہ کی فیصلہ سازی میں فوجی اثر کے رجحان نے جون 2015 تا جولائی 2016 کے دوران تعلقات کیلئے ایک سٹیج قائم کر دیا۔

زیر غور عرصہ کے دوران ایک نیا لیکن جانا پہچانا نظام سامنے آیا جو اس وقت ابھرا جب منتخب سیاسی قیادت اپنے اختیارات کی حدود کو قبول کرنے پر مجبور ہوگئی۔ منتخب سیاسی قیادت اہم فارن پالیسی اور داخلی سکیورٹی معاملات سے دستبردار ہوگئی اب ملٹری اور چیف آف آرمی سٹاف ان شعبہ جات کے انچارج ہیں۔

چیف آف آرمی سٹاف کے 17 بین الاقوامی دورے جن میں وہ غیر ملکی سیاسی قیادت سے ملے اور اس عرصہ کے دوران ملک میں 40 غیر ملکی وفود سے ملاقاتیں کی' کو ہی زیر غور لاتے ہیں۔ یہ اس امر کی عکاسی کرتا ہے کہ دنیا اس بات کو سمجھ گئی ہے اور ہمیشہ سے سمجھتی آرہی ہے کہ یہ امر قابل عمل ہے کہ پاکستان میں اختیارات کے مختلف مراکز کے ساتھ معاملات چلائے جائیں۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اتھارٹی کا کسی حد تک مدغم ہونا قابل قبول نہیں ہے لیکن حتمی فیصلہ سازی کے اختیارات منتخب سیاسی قیادت کے پاس رہنے چاہئیں۔ سول ملٹری تعلقات کے حوالے سے پاکستان میں اس معاملے پر شفافیت کی کمی نظر آئی ہے۔

اس کے نتیجے میں زیر غور عرصہ کیلئے' اہم علاقائی اور داخلی معاملات میں منتخب حکومت جونیئر پارٹنر نظر آتی ہے۔

یہ وہ تعلقات ہیں جس میں دسمبر 2014 کے بدترین پشاور حملے کے بعد نیشنل ایکشن پلان کو وضع اور تیار کیا گیا۔

اپیکس کمیٹی جس کی کوئی دستوری یا قانونی حیثیت نہ ہے[1]' مرکز اور صوبوں میں نیشنل ایکشن پلان کا مخصوص بائی پراڈکٹ ہے جس کے ذریعے ملٹری کمانڈرز کو ایگزیکٹو ٹیبل پر کمانڈنگ لسٹ دی گئی ہے۔ یہ بھی دکھائی دیتا ہے کہ صوبوں کے داخلی سکیورٹی سے متعلق اہم فیصلہ جات صوبائی کابینہ ہائے کی بجائے اپیکس کمیٹی کرتی ہے۔

پاکستان مسلم لیگ۔ نواز کی وفاقی حکومت نے ادارتی فورمز کو نظرانداز کرتے ہوئے معاملات میں مدد نہیں کی۔ اگرچہ 2013 میں ایک مستقل سیکرٹریٹ کے ساتھ اہم اور انتہائی ضروری نیشنل سکیورٹی کمیٹی تشکیل دی گئی' تاہم' وزیراعظم اور چیف آف آرمی سٹاف کے مابین ون آن ون ملاقاتوں پر انحصار کرتے ہوئے' اسے غیر فعال رکھا گیا۔ چیف آف آرمی سٹاف کی وزیراعظم تک براہ راست رسائی نے وزیر دفاع اور نیشنل سکیورٹی ایڈوائزر کے کردار کو بھی مسلسل کمزور کیا ہے۔

اس تلخ حقیقت کے متعدد ثبوت ہیں۔ ملک کو سکیورٹی جیسے ایک سے زائد مسائل کا سامنا ہے اور متعلقہ فارن پالیسی کا بحران ہے۔ قومی سلامتی کمیٹی نے اگست 2013 میں اپنی تشکیل کے بعد سے اب تک صرف 6 بار میٹنگ کی ہے[2]۔ صرف اس زیر غور عرصہ کے دوران (یکم جون 2015 تا 31۔ جولائی 2016) وزیراعظم نے چیف آف آرمی سٹاف سے 29 بار ملاقاتیں کیں اور اسی عرصہ کے دوران قومی سلامتی کمیٹی کی صرف دو میٹنگز ہوئیں۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ چیف آف آرمی سٹاف اور وزیراعظم کی ملاقاتوں

میں سے 10 (یعنی 34 فیصد) ملاقاتیں ون آن ون ہوئیں۔ وفاقی وزیر دفاع خواجہ محمد آصف' ایم این اے ان میٹنگز میں سے صرف 6 میں موجود تھے (یکم جون 2015 تا 31۔جولائی 2016 کے دوران وزیراعظم اور چیف آف آرمی سٹاف کی ملاقاتوں کی تعداد کا 21 فیصد)۔ دوسری طرف قومی سلامتی پر وزیراعظم کے مشیر (22۔اکتوبر 2015 سے پہلے سرتاج عزیز اور اب لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) ناصر خان جنجوعہ) ان میں سے 10 ملاقاتوں میں شریک ہوئے (وزیراعظم اور چیف آف آرمی سٹاف کے مابین ہونے والی ملاقاتوں کا 34 فیصد)۔

شائد قومی سلامتی کمیٹی کے تعطل کی ایک وجہ نیشنل سیکورٹی ایجنڈا ہے۔ کمیٹی کا ایک اہم فریضہ دفاع' خارجہ' داخلہ اور دیگر کی معاون پالیسیوں کو تشکیل دینے میں رہنمائی فراہم کرنے کیلئے ایک نیشنل سیکورٹی پالیسی تشکیل دینا تھا۔ نیشنل سیکورٹی ڈویژن' قومی سلامتی کمیٹی کے سیکرٹریٹ کا سرکاری طور پر طے کردہ ہدف نیشنل سیکورٹی کمیٹی کی جانب سے ایک جامع سیکورٹی پالیسی تشکیل دینا تھا[3] لیکن وہ 3 سال میں ایسا کرنے میں ناکام رہی ہے۔

الختصر' جون 2015 تا جولائی 2016 کے دوران پاکستان میں سول ملٹری تعلقات کے سلسلے میں بعض اہم رجحانات کا مشاہدہ کیا گیا ہے جو درج ذیل ہیں:

ا۔ حال میں میڈیا میں بحث وتمحیص کا موضوع یعنی جنرل راحیل شریف کی توسیع' سول ملٹری تعلقات میں ایک اہم مسئلہ کے طور پر سامنے آئی۔ اگرچہ جنوری 2016 میں' چیف آف آرمی سٹاف کی سروس میں توسیع سے متعلق افواہوں کی تردید کرتے ہوئے آئی ایس پی آر کی جانب سے ایک سرکاری بیان جاری کیا گیا لیکن اس سے معاملہ ٹھپ نہ ہوا۔ حال ہی میں پاکستان کے 13 بڑے شہروں میں (موو آن پاکستان نامی ایک سیاسی پارٹی کی جانب سے) لگائے گئے بینرز پر چیف آف آرمی سٹاف کو مارشل لاء عائد کرنے کی دعوت دی گئی۔ ایسا لگتا ہے کہ آنے والے نومبر 2016 میں معاملہ ہذا مزید توجہ حاصل کرے گا۔

کسی قائم کردہ نظام کے تحت' کسی سرکاری اہلکار کے عرصہ تعیناتی میں توسیع کبھی بھی قرین قیاس نہ ہوگی۔ یہ معاملہ ایک عوامی موضوع بن گیا ہے۔ پاکستان میں اسے ایک مسئلہ بنانا ہی نہیں چاہیے۔ اختیارات غصب کرنے والے جرنیلوں کے ماسوا' صرف واحد سابق چیف آف آرمی سٹاف جنرل اشفاق پرویز کیانی کو جولائی 2010 میں پی پی پی حکومت سے توسیع ملی۔

چیف آف جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی اور چیف آف آرمی سٹاف دونوں کی نومبر 2016 میں شیڈولڈ ریٹائرمنٹ پاکستان کے اعلیٰ دفاعی ادارے میں اصلاحات پر بحث وتمحیص کیلئے ایک مثالی موقعہ ہے۔ اس سلسلے میں مختلف تجاویز پر بحث کرنے کا ایک شاندار وقت ہے جیسے مسلح افواج کی یکساں کمانڈ (یعنی کہ چیف آف ڈیفنس سٹاف ماڈل)۔ اس نے پوری دنیا میں اہمیت حاصل کر لی ہے اور بہت سے حامی پیدا کر لئے ہیں جن میں سابق چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی' جنرل (ریٹائرڈ) احسان الحق شامل ہیں۔ 2016' پاکستان کے اعلیٰ دفاعی ادارے کا 40 سالہ تقریب منانے کا سال ہے جس کو 1976 میں یہ شکل دی گئی تھی۔

پلڈاٹ لازمی طور پر اس امر کی وکالت نہیں کرتا کہ چیف آف ڈیفنس سٹاف ماڈل کو اختیار کیا جائے لیکن اس بات کو بڑی حد تک محسوس کرتا ہے کہ ضروری ہے کہ قیادت سنجیدہ انداز سے ان تجاویز پر غور کرے جبکہ اس کا موقع بھی ہے۔ یہ فیصلہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ اسی نظام کو جاری رہنا چاہیے یا محتاط اور بروقت غور وخوض کے بعد اصلاحات لانی چاہئیں۔ اگرچہ موجودہ نظام ڈیفنس منسٹر کی سربراہی میں ڈیفنس کونسل کا اہتمام کرتا ہے' تاہم کونسل گزشتہ کئی سالوں سے غیر فعال ہے۔[4] کل وقتی وزیر دفاع کی تعیناتی اور ڈیفنس کونسل کی از سر نو فعالی کو بھی زیر غور لانا چاہیے۔

۲۔ ایسا لگتا ہے کہ کراچی آپریشن کے حوالے سے وفاقی حکومت، سندھ حکومت اور فوجی قیادت کے درمیان تناؤ جاری ہے۔ درحقیقت، بظاہر کراچی، مسلم لیگ نواز کی وفاقی حکومت، فوجی قیادت، پیپلز پارٹی کی صوبائی حکومت اور ایم کیو ایم کے مسابقانہ مفادات کا میدان جنگ بن چکا ہے۔ کراچی آپریشن کے اثرات اور بار بار ہونے والی چپقلش کی وجہ دو بڑے عوامل ہیں: سندھ کی صوبائی حکومت بظاہر یہ سمجھتی ہے کہ پاکستان رینجرز (سندھ)، اکثر اوقات آئینی اور قانون تقاضوں کے برعکس صوبائی حکومت سے بالا کام کر رہی ہے جبکہ اسے آئین کے آرٹیکل 147 کے تحت سول حکومت کی مدد کے لئے طلب کیا گیا ہے۔[5] دوسری طرف، پاکستان رینجرز (سندھ) کا بظاہر یہ خیال ہے کہ بالخصوص کراچی میں اور بالعموم سندھ میں سیاسی، مجرمانہ اور دہشت گردانہ کارروائیوں میں ایک گہرا تعلق ہے جو امن عامہ کی خراب صورت حال کا باعث ہے۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پاکستان رینجرز (سندھ) نے وفاقی حکومت کی آشیر باد سے اپنے آپ کو کراچی آپریشن میں بنیادی کردار ادا کرنے والی ایجنسی کے طور پر منوا لیا ہے۔ لہٰذا اگرچہ اس نیم فوجی قوت کو حکومت سندھ کی مدد کے لئے طلب کیا گیا ہے تاہم یہ بظاہر آزادانہ طور پر کام کر رہی ہے۔ اگرچہ کئی مواقع پر، مثلاً نیشنل ایکشن پلان پر عملدرآمد، وفاقی حکومت اور فوجی قیادت میں بظاہر تناؤ نظر آتا ہے، تاہم کراچی آپریشن ایسا معاملہ ہے جہاں موخرالذکر کو اول الذکر کی مکمل حمائت حاصل ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایم کیو ایم اور پاکستان پیپلز پارٹی نے اس حوالے سے اپنے آپ کو وفاقی حکومت سے ایک فاصلے پر کر لیا ہے اور یہ الزامات سامنے آئے کہ کراچی آپریشن میں صرف پاکستان پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم کو نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ کراچی میں سول ملٹری تناؤ کی بڑی مثالیں یہ ہیں:

الف) مارچ 2016 میں پاکستان رینجرز (سندھ) کی جانب سے ایم کیو ایم ہیڈ کوارٹرز نائن زیرو پر چھاپہ

ب) 16 جون 2015 کو جناب آصف علی زرداری کی جانب سے فوجی قیادت پر اپنے اختیارات سے تجاوز کے حوالے سے دھواں دھار، اور ہماری نظر میں، غیر ضروری اور غیر متوازن، یورش[6]

ج) پاکستان رینجرز (سندھ) کی جانب سے حکومتی اداروں جیسے سندھ بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی، لائنز ایریا ڈویلپمنٹ پراجیکٹ، پر حکومت سندھ کو پیشگی نوٹس کے بغیر چھاپوں پر رینجرز اور حکومت سندھ میں پیدا ہونے والا بار بار تناؤ[7]

د) پاکستان رینجرز (سندھ) کی جانب سے حکومت سندھ کے مختلف حلقوں میں پائی جانے والی بڑی بدعنوانیوں کے الزامات جن کی رقم، اُن کے بقول، دہشت گردی کی سرگرمیوں میں استعمال ہوتی ہے[8]

ہ) پاکستان رینجرز (سندھ) کی جانب سے پاکستان پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم کے سینئر رہنماؤں کی گرفتاری[9]

و) پاکستان رینجرز (سندھ) کے خصوصی اختیارات میں توسیع کے حوالے سے وفاقی حکومت، سندھ حکومت اور پاکستان رینجرز (سندھ) میں بار بار ہونے والی تکرار[10]۔ اس حوالے سے حکومت سندھ نے اپنی ہچکچاہٹ کو واضح کر دیا ہے۔

ز) پاکستان پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم کے سیاسی کارکنوں کی گرفتاری اور پاک سر زمین پارٹی کے وجود میں آنے کے بعد فوجی قیادت پر سیاسی انجینئرنگ کے الزامات۔

۳۔ بلوچستان حکومت اور فوجی قیادت میں بلوچستان کی سیکیورٹی کے معاملے پر تعاون میں اضافہ دیکھنے میں آیا جیسا کہ ہتھیار ڈالنے والے نوجوانوں کے لئے عام معافی اور ناراض بلوچ رہنماؤں سے مذاکرات، جن کا ابھی تک فیصلہ نہیں ہو سکا۔[11] اس تعاون کی ضرورت پر زور خود آرمی چیف نے دیا تھا جب 9 جولائی 2015 کو انہوں نے کہا تھا کہ "توانائی اور تجارت کے علاقائی مرکز کے طور پر بلوچستان کی صلاحیت صرف اسی وقت استعمال کی جا سکتی ہے جب اس کی سلامتی اور ترقی کے لئے مشترکہ سول ملٹری سوچ ہوگی۔"[12]

۴۔ قومی سلامتی پالیسی سول ملٹری تعلقات کے لئے پُر خار معاملہ رہا ہے۔ کسی پالیسی دستاویز کی غیر موجودگی کے ساتھ ساتھ' نیشنل ایکشن پلان پر عملدرآمد کے حوالے سے عوامی سطح پر پائے جانے والے اختلافات ان تعلقات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ زیر غور عرصہ کے اختتام تک' ایسا لگتا ہے کہ فوجی قیادت کو سلامتی کے امور پر حتمی فیصلے کا اختیار حاصل ہے اور قانون کی حکمرانی کی بدقسمت خلاف ورزی کی صورت میں جمہوریت کا لبادہ اوڑھے منتخب حکومت کا انتظامی اختیار نہ ہونے کے برابر ہے۔ 27 مارچ 2016 کو لاہور حملے کے بعد پنجاب میں آرمی چیف کے حکم پر فوجی آپریشن کے سلسلے' جو بظاہر منتخب قیادت سے مشاورت کئے بغیر ہوئے' قابل غور امر ہے۔ آپریشن کے اعلامیہ کی زبان سے کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا کہ یہ آپریشن آرمی چیف کی 'ہدایت' پر شروع ہوئے۔

۵۔ سلامتی کے شعبے کی مطلوبہ نگرانی میں پارلیمان اور اس کی متعلقہ کمیٹیوں کی نااہلیت۔ نیشنل ایکشن پلان پر عملدرآمد کی نگرانی کے لئے قومی اسمبلی اور سینیٹ' دونوں کی سٹینڈنگ کمیٹیوں برائے دفاع کا ایک بھی اجلاس منعقد نہ ہوا جبکہ دونوں ایوانوں کی دو سٹینڈنگ کمیٹیوں برائے داخلہ اور منشیات کنٹرول میں سے صرف سینیٹ کی کمیٹی کو ایک دفعہ وزارت داخلہ نے نیشنل ایکشن پلان پر بریفنگ دی۔[13]

۶۔ آرمی چیف کی بین الاقوامی سطح پر بڑھتی ہوئی مقبولیت' جیسا کہ وہ غیر ملکی سیاسی قیادت کے ساتھ مسلسل ملاقاتیں کر رہے ہیں۔ آرمی چیف کی بین الاقوامی سطح پر مقبولیت میں اضافے کے ساتھ ساتھ اندرون ملک بھی مقبولیت میں اضافہ ہوا ہے۔ کسی بھی ملک میں پیشہ ورانہ جرات پر آرمی چیف اور فوج کو سراہا جاتا ہے اور پاکستان بھی اس لحاظ سے مختلف نہیں ہے۔ تاہم' یہ کہنا کہ آرمی چیف کا مسیحا جیسے کردار کا تاثر آئی ایس پی آر کی کاوشوں کا مرہون منت ہے' بالکل غلط ہے۔

۷۔ یکم جون 2015 سے 31 جولائی 2016 کے دوران بالخصوص افغانستان' بھارت' امریکا' چین اور خلیجی ریاستوں کے بارے میں پاکستان کی خارجہ پالیسی پر سول ملٹری عدم توازن کے مضمرات۔ ان ممالک کے حوالے سے پارلیمان کی جانب سے اکثر کسی کردار کے بغیر' خارجہ پالیسی کے انصرام میں فوجی قیادت بظاہر آگے نظر آ رہی ہے۔ یہ بات آرمی چیف کے 17 غیر ملکی دوروں سے بھی واضح ہوتی ہے جن میں انہوں نے غیر ملکی سیاسی قیادت سے ملاقاتیں کیں (چار مرتبہ تو سربراہان مملکت سے) اور اندرون ملک بھی آرمی چیف نے 40 مرتبہ اپنے اپنے ممالک کی سیاسی قیادت کی نمائندگی کرنے والے غیر ملکی وفود سے ملاقاتیں کیں۔

۸۔ کمزور پولیس کی وجہ سے آپریشن کرنے کے لئے پاک فوج کا کردار۔ گزشتہ 25 سالوں سے پاکستان رینجرز (سندھ)' کراچی میں قانون نافذ کرنے والا واحد مستقل ادارہ بن چکا ہے۔ اسی طرح پنجاب میں بہت زیادہ ارتکاز پذیر صوبائی انتظامیہ اور کمزور پولیس کی وجہ سے صوبے کے جنوبی حصے میں چھوٹو گینگ کے خلاف کارروائی کے لئے پاک فوج طلب کرنا پڑی۔

۹۔ قومی سلامتی کمیٹی' جو قومی سلامتی امور پر فیصلہ سازی کا سب سے بڑا ادارہ ہے' کا غیر متحرک ہونا جو اگست 2013 میں اپنی تشکیل کے بعد سے صرف چھ اجلاس منعقد کر سکی ہے اور جون 2015 سے جولائی 2016 تک اس کے صرف دو اجلاس ہوئے۔ اس کی بجائے سول ملٹری باہمی تعلقات کے حوالے سے عارضی فورم جیسے ایپکس کمیٹی کو استعمال کیا جاتا ہے۔

پلڈاٹ کی رائے ہے کہ قومی سلامتی کمیٹی جیسے ادارے کو مستحکم بنانے کی ضرورت ہے۔ قومی سلامتی کمیٹی کے اجلاس زیادہ تواتر سے ہونے چاہئیں۔ اگر قومی سلامتی کمیٹی کو فیصلے کرنا ہیں اور کابینہ کو محض سفارشات پیش نہیں کرنا تو پارلیمان کے قانون کے ذریعے اس ادارے کے کام کی توثیق کرنا ہوگی اور اسے قانونی حیثیت دینا ہوگی۔ سروسز چیفس کی معمول سے ہٹ کر کل وقتی رکنیت اور اس ادارے کی فیصلہ سازی کے اختیارات پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ دونوں امور پاکستان کے معاملے میں معمول سے ہٹ کر ہیں۔ دنیا بھر میں اس طرح کے قومی سلامتی کے ادارے مشاورتی نوعیت کے ہوتے ہیں نہ کہ فیصلہ سازی کے اختیارات کے حامل، جو لازمی طور پر کابینہ کے پاس ہونے چاہئیں۔ [14] علاوہ ازیں، دنیا میں کہیں بھی ان اداروں میں سروسز چیفس یا چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی یا مساوی عہدیدار کو مستقل رکنیت نہیں دی جاتی۔ درحقیقت، یہ پاکستان کی دیگر کابینہ کمیٹیوں میں ہوتا ہے جیسے اقتصادی رابطہ کمیٹی میں بھی ایسا ہوتا ہے جہاں مستقل رکنیت کابینہ کے ارکان کو دی جاتی ہے اور دیگر اہم عہدیداران کو خصوصی دعوت پر مدعو کیا جاتا ہے۔

۱۰۔ سول اور فوجی قیادت میں مسلسل اختلاف رائے۔ یہ غیر معمولی بات تو نہیں لیکن اس اختلاف رائے کو بند کمرے میں اور سرکاری سطح پر حل کیا جانا چاہئے۔ تاہم، جون 2015 تا جولائی 2016 کے دوران اس کے بالکل برعکس ہوا۔ اس حوالے سے ایک واقعہ 10 نومبر 2015 کو آئی ایس پی آر کی جانب سے جاری کردہ پریس ریلیز کا ہے جس میں نیشنل ایکشن پلان پر سست رفتار پیش رفت کے حوالے سے منتخب حکومت پر بالواسطہ تنقید کی گئی اور پھر اس کے جواب میں وفاقی حکومت نے بھی بیان جاری کیا۔ ایسا ہی فوجی قیادت نے پانامہ لیکس کے معاملے میں کیا جب آرمی چیف نے عوامی طور پر اس معاملے کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ [15] یہ رجحان کراچی آپریشن اور سندھ میں پیپلز پارٹی کی صوبائی حکومت اور پاکستان رینجرز (سندھ) کے معاملے میں بھی دیکھنے میں آیا۔ ذرا وزیر اعلیٰ سندھ کی جانب سے ڈی جی رینجرز کو لکھے جانے والے خط پر غور فرمایئے جس میں نیم فوجی دستوں کو ''اپنے اختیارات سے تجاوز'' پر تنبیہ دی گئی تھی؛ اس خط کو عام کیا گیا؛ پاکستان رینجرز (سندھ) نے سندھ حکومت کے مختلف شعبوں میں ہونے والی 230 بلین روپے کی بدعنوانی کے بارے میں پریس ریلیز جاری کی اور ڈاکٹر عاصم حسین کی اعترافی ویڈیو کو بھی میڈیا میں لیک کیا گیا، وغیرہ۔

پاکستان میں سول ملٹری تعلقات پر اثر انداز ہونے والی اہم پیش ہائے رفت کی ٹائم لائن: جون 2015۔جولائی 2016

جدول 1: پاکستان میں سول ملٹری تعلقات پر اثر انداز ہونے والی اہم پیش ہائے رفت کی ٹائم لائن

(2016 کے تازہ ترین واقعات سے 2015 تک)

26۔جولائی 2016

چیف آف آرمی سٹاف کی مصر کے صدر فتح السیسی سے ملاقات

22۔جولائی 2016

وزیراعظم نے بیرون ملک اپنی سرجری اور طویل قیام کے بعد اسلام آباد واپسی کے صرف دو دن بعد نیشنل سکیورٹی کمیٹی کی میٹنگ کی صدارت کی۔

21۔جولائی 2016

آئی۔ایس۔پی۔آر کی جاری کردہ پریس ریلیز کے مطابق، پاک فوج نے نئی تعمیر کردہ بارڈر کراسنگ چوکی افغان حکام کے حوالے کر دی۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ یہ اقدام وفاقی وزیر داخلہ کی مشاورت کے بغیر کیا گیا کیونکہ چودھری نثار علی خان، ایم۔این۔اے نے وزیراعظم کو خط لکھ کر اپنے تحفظات کا اظہار کیا۔

10۔مئی 2016

وزیراعظم اور چیف آف آرمی سٹاف کے مابین ون آن ون ملاقات ہوئی۔میڈیا رپورٹس نے اس میٹنگ کے حوالے سے الزام عائد کیا کہ چیف آف آرمی سٹاف نے وزیراعظم کو کہا کہ جتنا جلد ممکن ہو سکے، پانامہ پیپرز بحران کو حل کیا جائے۔ معمول کے برخلاف، وزیراعظم اور چیف آف آرمی سٹاف کے مابین ہونے والی میٹنگ کی ایک مختصر سی ویڈیو مع آڈیو کو میڈیا میں بھی نشر کیا گیا۔

21۔اپریل 2016

میڈیا رپورٹس سامنے آئی کہ چیف آف آرمی سٹاف نے پاکستان آرمی کے چھ اعلیٰ سطح کے عہدیداران کو کرپشن کے الزامات ثابت ہونے پر جبراً ریٹائر کر دیا ہے۔

16۔اپریل2016

پاک فوج کی جانب سے چھوٹو گینگ کے خلاف آپریشن جنوبی پنجاب کے علاقے میں ایک لمبے عرصے تک ڈاکوؤں نے قدم جمائے رکھے اور اس حقیقت سے آگاہ ہونے کے باوجود کہ صوبے کی حدود میں جو کچھ ہوتا رہا ہے حکومت پنجاب ان کے خلاف اقدام اٹھانے میں ناکام رہی۔ اس سے نہ صرف صوبائی حکومت کا غیر موثر پن بلکہ ایسے آپریشن کرنے میں پولیس کی نااہلی بھی ظاہر ہوتی ہے۔20۔اپریل 2016 کو چھوٹو نے اپنے 13 ساتھیوں سمیت خود کو پاک فوج کے حوالے کر دیا۔

6۔اپریل2016

کابینہ کی قومی سلامتی کمیٹی کی میٹنگ 18 ماہ کے وقفے کے بعد منعقد ہوئی۔ اس سے قبل قومی سلامتی کمیٹی کی آخری میٹنگ مورخہ 24۔اکتوبر 2016 کو منعقد ہوئی تھی۔[16]

27۔مارچ2016

چیف آف آرمی سٹاف نے متعلقہ کمانڈر اور انٹیلی جنس ایجنسیوں کو 27۔مارچ 2016 کو پنجاب میں لاہور حملہ کے ذمہ دار افراد کے خلاف آپریشن شروع کرنے کی ہدایت کی۔ بظاہر آپریشن کی منظوری پنجاب کی منتخب صوبائی حکومت یا وفاقی حکومت کی مشاورت کے بغیر دی گئی۔

25۔جنوری2016

آئی۔ایس۔پی۔آر کی جانب سے ٹویٹ میں بیان دیا گیا کہ چیف آف آرمی سٹاف کی مدت ملازمت میں توسیع کا دعویٰ بے بنیاد ہے اور یہ کہ ''وہ اپنی مقررہ تاریخ پر ریٹائر ہوں گے''۔[17]

اس کے بعد 24۔جنوری 2016 کو پی پی پی کی جانب سے صوبائی اسمبلی پنجاب میں قرارداد پیش کی گئی جس میں مطالبہ کیا گیا کہ وفاقی حکومت چیف آف آرمی سٹاف جنرل راحیل شریف کو توسیع دے۔[18]

18, 19۔جنوری2015

وزیراعظم اور چیف آف آرمی سٹاف نے سعودی عرب اور ایران کا دورہ کیا جسے میڈیا نے ''ثالثی دورے'' کا نام دیا۔[19]

16۔دسمبر 2015

پاکستان رینجرز (سندھ) کے خصوصی اختیارات محدود کرنے سے متعلق صوبائی اسمبلی سندھ نے ایک متنازعہ قرارداد منظور کی۔نومبر اور دسمبر 2015 سے یہ مسئلہ وفاقی حکومت' صوبائی حکومت سندھ اور فوجی قیادت کے مابین اختلاف کی وجہ رہا ہے۔

21۔نومبر 2016

چیف آف آرمی سٹاف نے وائٹ ہاؤس میں امریکا کے نائب صدر جو بائیڈن سے ملاقات کی۔تاہم' نائب صدر جو بائیڈن نے جس وفد کو بلایا' وہ کن افراد پر مشتمل تھا' ابھی تک یہ امر واضح نہیں ہے۔اس بلاوے سے متعلق نہ تو امریکا میں پاکستانی سفارت خانے اور نہ وزارت امور خارجہ کی جانب سے ہی کوئی پریس ریلیز جاری کیا گیا ہے۔تاہم' اس ملاقات کی معلومات وائٹ ہاؤس کی جانب سے جاری کی گئیں جس میں بیان کیا گیا کہ نائب صدر نے ازسرنو یقین دہانی کرائی کہ امریکا پاکستان کے ساتھ مضبوط تعلقات قائم رکھنے میں دلچسپی رکھتا ہے۔اس سے ہماری مشترکہ انسداد دہشت گردی' معیشت اور علاقائی سکیورٹی معاملات ٹھیک ہوئے ہیں۔نائب صدر نے امریکا کے ساتھ انسداد دہشت گردی معاونت میں فعال حمایت پر جنرل راحیل شریف کا شکریہ ادا کیا اور علاقائی سکیورٹی کو مزید مستحکم کرنے کی معاونت کی وسیع کوششوں کی اہمیت کو سراہا۔[20]

10۔نومبر 2015

آئی۔ایس۔پی۔آر کی جانب سے جاری کردہ پریس ریلیز بظاہر حکومت کی گورننس پر تنقید ہے' خاص طور پر نیشنل ایکشن پلان کے اطلاق کے حوالے سے' جس میں بیان کیا گیا کہ ''جہاں آرمی چیف نے جاری آپریشن اور انٹیلی جنس بیسڈ آپریشن (آئی۔بی۔اوز) کی کاوشوں اور اثرات کی پراگرس کی تعریف کی ہے' وہاں انہوں نے آپریشن کے دیرپا فوائد کے حصول کیلئے اور ملک بھر میں حوصلہ افزاء امن کیلئے مساوی/ تکمیلی گورننس اقدامات کی ضرورت پر زور دیا۔اگلے دن حکومت کی جانب سے جواب الجواب جاری کیا گیا۔[21]

22۔اکتوبر2016

لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) ناصر خان جنجوعہ، سابق کمانڈر سدرن کمانڈ، بلوچستان کو بطور نیشنل سکیورٹی ایڈوائزر ٹو پرائم منسٹر تعینات کیا گیا۔ اگرچہ پلڈاٹ اس امر پر یقین رکھتا ہے کہ اس حقیقت پر شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں کہ اس سلسلے میں صرف وزیر اعظم کا فیصلہ حتمی ہوتا ہے، میڈیا میں بعض تبصرے اس پیش رفت کے بارے کہتے ہیں کہ یہ فوجی قیادت کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کی ایک اور مثال ہے۔

مثال کے طور پر لیفٹننٹ جنرل (ریٹائرڈ) ناصر خاں جنجوعہ کی بطور مشیر قومی سلامتی تقرری کی خبر کو روزنامہ ڈان نے ایک دلچسپ پیرائے کا اضافہ کرتے ہوئے بیان کیا کہ ''ریٹائرڈ جنرل کو بطور مشیر قومی سلامتی تقرری کو نیشنل سکیورٹی پر سویلین انتظامیہ کے سکڑتے ہوئے کنٹرول کی علامت کے طور پر دیکھا جا رہا ہے۔ روایتی طور پر ملٹری عملداری سے اس پیشرفت کے بارے میں بین الاقوامی میڈیا تبصرے نے بھی اسی طرح کی رائے قائم کی۔[22]

انڈین ایکسپریس کی کوریج کو زیر غور لاتے ہیں جس میں کہا گیا کہ ''یہ بات آسانی سے کہی جا سکتی ہے کہ لیفٹننٹ جنرل جنجوعہ وزیر اعظم سے احکامات نہیں لیں گے بلکہ جی۔ایچ۔کیو راولپنڈی سے لیں گے۔''[23]

وال سٹریٹ جرنل نے بھی کہا کہ جناب جنجوعہ کی تقرری بھی اس بات کی طرف توجہ دلاتی ہے جو کچھ ایک سال سے زائد کے عرصے میں ہو رہا ہے۔ جناب شریف نے خارجہ پالیسی اور نیشنل سکیورٹی کا کنٹرول فوج کے حوالے کر دیا ہے۔[24]

16۔اکتوبر2015

قومی اسمبلی سے ایم کیو ایم کے استعفوں کے بعد کراچی آپریشن کیلئے وفاقی حکومت کی جانب سے شکایات ازالہ کمیٹی بنائی گئی۔ صوبائی اسمبلی سندھ اور پاکستان سینیٹ میں کہا گیا کہ کراچی آپریشن محض ایک پارٹی کو ٹارگٹ کرنے کیلئے شروع کیا گیا اور اس سلسلے میں شکایت کو سرکاری سطح پر لانے کیلئے کوئی لائحہ عمل نہ ہے۔ شکایات ازالہ کمیٹی کی تشکیل کے بعد ایم کیو ایم نے اپنے استعفے واپس لے لئے۔ کمیٹی اس وقت سے لے کر اب تک غیر فعال چلی آ رہی ہے۔

13۔اکتوبر2015

چیف آف آرمی سٹاف نے ترکی کے صدر رجب طیب اردگان سے ملاقات کی۔ اس سلسلے میں پریس ریلیز آئی۔ایس۔پی۔آر کی جانب سے جاری کی گئی جس میں اس وفد کے اراکین کے بارے میں وضاحت نہیں کی گئی ہے جن کی چیف آف آرمی سٹاف کے ہمراہ ترکی کے صدر کے ساتھ ملاقات ہوئی۔

14۔ستمبر2015

چیئرمین پاکستان تحریک انصاف، عمران خان نے پنجاب اور خیبر پختونخواہ میں کرپشن کے خلاف اقدامات کیلئے رینجرز کا مطالبہ کیا۔

5۔اگست 2015

آئی۔ایس۔پی۔آر نے ایک پریس ریلیز میں بیان دیا کہ این۔ایل۔سی دھوکہ دہی کی وجہ سے پاک فوج کے دوافسران کو ملازمت سے برخاست کر دیا گیا۔[25]

12۔جولائی 2016

کراچی آپریشن کے سلسلے میں وزیراعلیٰ ہاؤس میں پی پی پی چیئرمین بلاول بھٹو زرداری اور کمانڈر 5 کور، جنرل نوید مختار کے مابین میٹنگ منعقد ہوئی۔

9۔جولائی 2015

صوبائی حکومت سندھ نے گزشتہ نوٹیفکیشن ختم ہونے کے تقریباً دو ہفتے بعد ایک ماہ کیلئے صوبے میں پاکستان رینجرز (سندھ) کے سپیشل پولیسنگ اختیارات میں توسیع کا نوٹیفکیشن جاری کیا۔

8۔جولائی 2015

چیف آف آرمی سٹاف نے سری لنکا کے صدر میتھری پالا سیریسنہ سے ملاقات کی۔تاہم ایک بار پھر وفد کی وہ رکنیت جنھوں نے سری لنکن صدر کو بلایا واضح نہ ہے چونکہ اس سلسلے میں صرف آئی۔ایس۔پی۔آر کی جانب سے اعلامیہ جاری کیا گیا جس میں اس کا کوئی ذکر نہ ہے۔

17۔جولائی 2015

وزیراعلیٰ سندھ سید قائم علی شاہ نے سندھ بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی (ایس۔بی۔سی۔اے) اور لائنز ایریا ڈویلپمنٹ پراجیکٹ (ایل۔اے۔ڈی۔پی) کے دفاتر پر چھاپے سے متعلق بیان دیا کہ رینجرز اپنی اتھارٹی اور حدود سے تجاویز کر رہی ہے۔

16۔جون 2015

شریک چیئرمین پی پی پی آصف علی زرداری نے دھواں دھار تقریر کرتے ہوئے ''اپنے دائرہ اختیارات سے باہر اقدام پر'' فوجی قیادت پر تنقید کی۔[26]

پاکستان میں سول ملٹری تعلقات پر اثر انداز ہونے والی پیش ہائے رفت جون 2016۔۔۔جولائی 2016

سندھ میں سول ملٹری تناؤ

جون 2015 تا جولائی 2016 کے دوران سول ملٹری تعلقات میں بار ہا سامنے آنے والا موضوع سندھ میں سول ملٹری قیادت کے مابین پایا جانے والا مستقل تناؤ تھا۔ اس سلسلے میں بعض اہم پیش ہائے رفت کو یہاں زیر غور لایا جا رہا ہے (جون 2015 تا جولائی 2015 واقعات تاریخی ترتیب سے دیئے گئے ہیں)۔

آصف علی زرداری کی دھواں دھار زبانی یورش

زیر غور عرصہ کے دوران پاکستان پیپلز پارٹی (پی پی پی) اور ملٹری قیادت کے مابین تعلقات کے کلیدی فیصلہ کن لمحات میں سے شاید ایک سابق صدر آصف علی زرداری کی جانب سے دھواں دھار زبانی یورش تھی جو ہماری رائے کے مطابق انتہائی غیر ضروری اور غیر متوازن تھی۔ 16 جون 2016 کو انہوں نے ''اپنے دائرہ اختیار سے باہر اقدامات'' پر فوج پر کھلم کھلا تنقید کی۔[27]

اپنے پہلو تہی سٹائل میں، آصف علی زرداری نے اپنی تقریر میں کسی شخص یا ادارے کی جانب براہ راست اشارہ تو نہ کیا، تاہم انہوں نے ان سکیورٹی چیلنجوں کی جانب اشارہ کیا جن کا ملک کو سامنا ہے اور اس کے نتیجے میں ادارے کمزور ہو رہے ہیں سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ان کا اشارہ ملٹری قیادت کی جانب تھا۔

اس موقع پر آصف علی زرداری نے کہا:

''ہماری کردار کشی کرنا چھوڑ دو! اگر آپ کی ہم نے کی تو پتہ نہیں پاکستان بننے سے آج تک کتنے جرنیلوں کی شروع ہو جائے گی۔ میں نہیں چاہتا کہ ہمارے انسٹی ٹیوشنز کمزور ہوں اس لئے کہ ہم جانتے ہیں کہ کتنے کورٹس کیسز چل رہے ہیں اور کتنے چلنے والے ہیں جن میں آپ کے ساتھی ملوث ہیں۔ جس دن ہم نے وہ لسٹ لے کر پریس کانفرنس کی تو آپ کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی۔ آپ کمزور ہوتے جا رہے ہیں اس لئے ہم آپ کے شانہ بشانہ کھڑے رہنا چاہتے ہیں۔۔۔۔۔ یہ ہمارا ادارہ ہے۔ آپ نے تو تین سال رہنا ہے ہم نے تو ہمیشہ کیلئے رہنا ہے۔ اس لئے ہمیں تنگ نہ کرو۔ اگر ہمیں تنگ کرنے کی کوشش کی گئی تو ہم بھی آپ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔۔۔۔۔۔۔۔ ہم اس وقت آپ کو کمزور نہیں کرنا چاہتے جب ایک سرحد پر آپ کو بھارت کی جانب سے چیلنجز کا سامنا ہے اور دوسری جانب بعض کالعدم تنظیموں کا، جن کے پیچھے ''را'' ہے، اور اس (را) نے اپنے سامنے بلوچستان میں چند بلوچ سرداروں کے بچوں کو رکھا ہوا ہے۔ اس لئے ہوشیار، ہوشیار، ہوشیار اور ہوشیار۔''

پلڈاٹ اس امر پر یقین رکھتا ہے کہ ایک ایسے شخص کی جانب سے جو صدر / آرمڈ فورسز کا کمانڈر چیف رہ چکا ہو اور اس وقت اس کی پارٹی کی ایک صوبے میں حکومت ہو، جب ملک جنگ کی حالت میں ہو، کم از کم کہہ سکتے ہیں کہ آرمڈ فورسز پر ایسی تنقید غیر ذمہ دارانہ ہے۔ اگر پی پی پی قیادت کو ملٹری لیڈرشپ سے تحفظات ہیں تو انہیں کسی مناسب فورم، جیسا کہ اپیکس کمیٹی، میں پس پردہ اٹھایا جائے۔

علاوہ ازیں، پلڈاٹ اس امر پر بھی یقین رکھتا ہے کہ زرداری کو حقائق اور دستوری ریفرنسز دینے چاہیے تھے۔ اگر یہ معاملہ اتنا سنجیدہ تھا، جیسا کہ کہا گیا تو جذبات سے بھرپور لمبی مذمتی تقریر کی بجائے انہیں عوام کے پاس جانے کا انتخاب کرنا چاہیے تھا۔ زرداری کی پارٹی کو اس لمبی مذمتی تقریر کی توثیق کرنے کی بجائے انہیں اس غیر ذمہ دارانہ انداز گفتگو پر جواب دہ ٹھہرانا چاہیے تھا۔ اس لمبی مذمتی تقریر نے اس اختلاف کی دراڑ میں مزید اضافہ کیا اور سندھ میں پی پی پی قیادت اور ملٹری

قیادت کے مابین اختلافات منظر عام پر آ گئے۔

وزیراعظم نے زرداری کے ساتھ پہلے سے طے شدہ میٹنگ جو مورخہ 17 جون 2016 کو ہونا تھی، کو کینسل کر دیا چونکہ موخرالذکر کے اظہار ناراضگی سے انہیں پتہ چل گیا کہ انہیں خود کو زرداری کے خیالات سے الگ رکھنا چاہیے۔ تاہم حیرت انگیز طور پر منتخب وزیراعظم پاکستان نواز شریف نے چیف آف آرمی سٹاف کو خصوصی طور پر بلوایا جو اس وقت روس کے دورے پر تھے اور اطلاعات کے مطابق زرداری کی آرمڈ فورسز پر تنقید کی وجہ سے ان سے اپنی دوری کے متعلق چیف آف آرمی سٹاف کو ذاتی طور پر آگاہ کیا۔

وزیراعظم کے حوالے سے وزیراعظم ہاؤس سے ایک بیان جاری کیا گیا جس میں کریڈٹ دیا گیا کہ سویلین اور ملٹری قیادت کے مابین تعاون سے پاکستان میں جمہوریت مضبوط ہوئی ہے۔ اس بیان میں کہا گیا کہ:

''سویلین اور ملٹری قیادت کے تعاون سے جمہوریت مضبوط ہوئی ہے۔ یہ ہم آہنگی کل جماعتی کانفرنس (اے۔ پی۔ سی) میں کئے گئے فیصلوں کے دوران واضح طور پر نظر آئی جس کے دوران سویلین اور ملٹری قیادت نے مشترکہ قومی اہداف رکھے۔''[28]

24۔ جون 2015 کو زرداری دوبئی چلے گئے اور اطلاعات کے مطابق طبی وجوہات کی بناء پر اس وقت سے لے کر اب تک بیرون ملک ہیں۔ پارٹی چیئرمین، بلاول بھٹو زرداری ملک میں پارٹی معاملات چلاتے نظر آ رہے ہیں جبکہ زرداری تب سے پس منظر میں چلے گئے ہیں۔

زیر غور عرصے کے دوران آصف علی زرداری کی ملٹری قیادت کے خلاف بھرپور مذمتی تقریر پاکستان سول ملٹری تعلقات کے لئے اہم موڑ کے طور پر شمار کی جاتی ہے۔ اس موقع پر نہ صرف پی پی پی کی سندھ حکومت اور ملٹری قیادت کے مابین اختلافات منظر عام پر آئے بلکہ اس واقعہ کے نتیجے میں پی۔ ایم۔ ایل۔ این کی وفاقی حکومت اس ایشو پر ملٹری کے موقف کا ساتھ دیتی نظر آئی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ پی پی پی، جو 2014 میں پی ٹی آئی اور پی اے ٹی کے دھرنے کے سامنے پی۔ ایم۔ ایل۔ این کی وفاقی حکومت کے ساتھ مضبوطی سے کھڑی تھی، نے پانامہ لیکس کے واقعہ پر حزب اختلاف کی پارٹیوں، جیسا کہ پی ٹی آئی، کا ساتھ دیا اور وزیراعظم کی جواب دہی کے الزام پر بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی ہے جو ایک ایسا ایشو ہے جس کو ملٹری قیادت نے بھی عوامی سطح پر اہمیت دی ہے۔

کراچی آپریشن

یہ امر ابھی تک غیر واضح ہے کہ ایک روڈ میپ مقاصد اور ٹائم لائنز کے ساتھ کراچی میں جاری آپریشن کا حقیقی انچارج کون ہے۔ آیا پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلی سندھ، جو اپنے دائرہ اختیار میں حکومت کا جائزہ لینے کیلئے دستوری طور پر ذمہ دار فورم ہیں، کی جانب سے بالآخر کوئی توجہ دی جاتی ہے؟ اور آیا کہ کوئی عرصہ وار پراگرس رپورٹ بھی لی یا پیش کی جاتی ہے۔

پی۔ ایم۔ ایل۔ این کی حکومت نے کراچی میں ٹارگٹ کلنگ، اغواء برائے تاوان، بھتہ وصولی اور دہشت گردی میں مبینہ ملوث مجرموں کے خلاف پولیس کی معاونت کے ساتھ ''ٹارگٹڈ ایکشن یا ایکسرسائز'' کے نام سے فیڈرل کیبنٹ کی جانب سے پاکستان رینجرز (سندھ) کو بااختیار بناتے ہوئے مورخہ 5۔ جون 2013 کو کراچی آپریشن کا آغاز کیا۔

یہ امر ناقابل تردید ہے کہ پورے پاکستان بالخصوص کراچی میں امن و امان کا حصول اور تسلسل پاکستان کیلئے انتہائی اہمیت کا حامل ہے اور کراچی آپریشن شروع کرنے کا فیصلہ اور ''مارچ 2015 میں ایم کیو ایم ہیڈکوارٹر، نائن زیرو پر چھاپے کے بعد'' اس کی تجدیدی قوت قابل تحسین ہے۔ یہ صرف امید کی جاتی ہے کہ کراچی آپریشن کو جلد ہی اپنے منطقی انجام پر پہنچا کر سندھ پولیس کو بحال کر کے شہر اس کے حوالے کرنا ہے۔

یہ ہمیشہ سے ہی ایک کھلا راز رہا ہے کہ سندھ میں پولیس کی بھرتی سیاسی بنیادوں پر

ہوتی رہی ہے۔ نااہل پولیس فورس اور سیاسی بھرتی کے دوہرے مسئلے کی وجہ سے یہ صوبہ ایک عذاب سے دوچار ہے۔ تاہم سندھ پولیس سروس کی ایماء پر آپریشن کرنے کے پاکستان رینجرز (سندھ) کے ان اختیارات کی وجہ سے کمزور پولیسنگ جڑیں نہ پکڑ سکی۔ وفاقی وزیرداخلہ چودھری نثار علی خان، ایم این اے نے بھی اسی وجہ سے حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ رینجرز نے شکایت کی ہے کہ جرائم میں مبینہ ملوث گرفتار افراد کو تھوڑی دیر بعد رہا کر دیا جاتا ہے[29]۔ شاید یہی وجہ تھی کہ پاکستان رینجرز کو قانون تحفظ پاکستان 2013 کے تحت پراسیکیوشن اور انویسٹی گیشن کے اختیارات دیئے گئے۔

کراچی آپریشن کو مانیٹر کرنے کیلئے وفاقی حکومت نے صوبائی حکومت سندھ کی معاونت سے بعض میکنزم ہائے کا اعلان کیا۔ ان میں درج ذیل شامل ہیں:

ا۔ آپریشن کا انتظام وانصرام اور کنٹرول کے اہتمام کیلئے سینئر سول اور ملٹری لاء انفورسمنٹ اہلکاران پر مشتمل اور وزیراعلیٰ سندھ سید قائم علی شاہ کی قیادت میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ اس موقع پر وزیراعظم نے وزیراعلیٰ سندھ کو ''آپریشن کے کپتان'' کا نام دیا۔

۲۔ آپریشن کے قانونی پہلوؤں کو دیکھنے کیلئے وفاقی وزیر قانون زاہد حامد، ایم این اے، سینیٹر فروغ نسیم اور پراسیکیوٹر جنرل پر مشتمل ایک دوسری کمیٹی بھی تشکیل دی گئی۔ کمیٹی نے قانون شہادت اور کراچی میں پیراملٹری فورس انویسٹی گیشن اور پراسیکیوشن اختیارات دینے کی دیگر تصریحات کیلئے قانونی سفارشات تجویز کرنی تھی۔

۳۔ اس وقت کے ڈائریکٹر جنرل آف پاکستان (سندھ) میجر جنرل رضوان اختر کی سربراہی اور انسپکٹر جنرل آف سندھ پولیس اور انٹیلی جنس ایجنسیوں کے نمائندوں پر مشتمل ایک آپریشنز کمیٹی تشکیل دی گئی جس میں آپریشنل سرگرمیوں کو مانیٹر کرنے کیلئے روزانہ اجلاس کرنا تھا۔

۴۔ آپریشن کے مختلف پہلوؤں بشمول انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں کو مانیٹر کرنے کیلئے سول سوسائٹی اور میڈیا پر مشتمل ایک آؤٹ مانیٹرنگ کمیٹی بنائی گئی۔

یہ امر قابل افسوس ہے کہ کراچی آپریشن کے سلسلے میں جملہ مذکورہ بالا کمیٹیاں بڑی حد تک غیرفعال ہیں چونکہ اس سلسلے میں بظاہر فیصلہ سازی کا فورم سندھ کی اپیکس کمیٹی ہے۔

آپریشن نے 11۔ مارچ 2015 کو ایم کیو ایم ہیڈکوارٹر، نائن زیرو پر ''رینجرز'' کے چھاپے کے ساتھ از سرنو قوت پکڑی۔ یہ کم از کم پچھلی دو دہائیوں سے کراچی کو پیس کر رکھ دینے والی مجرمانہ اور دہشت گردانہ خلاف ورزیوں کے وجود کو موثر انداز سے قابو پانے کی سول ملٹری قیادت کی اٹھان کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لئے مورخہ 25۔ مارچ 2015 کو جب وزیراعظم نے بیان دیا کہ کراچی جرائم سے پاک شہر ہوگا اور منطقی انجام تک کراچی آپریشن کو جاری رکھا جائے گا اور 16۔ فروری 2015 کو چیف آف آرمی سٹاف نے بیان دیا کہ 'کراچی میں امن کا مطلب پاکستان کی خوشحالی ہے'[30]۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بامعنی کوشش' کو چیف آف آرمی سٹاف حتمی شکل دینا چاہتے ہیں۔

تاہم، مابعد پیش ہائے رفت سے ظاہر ہوتا ہے کہ کراچی آپریشن بڑی حد تک ایک سیاسی مسئلہ بن کر رہ گیا ہے۔ جس کے نتیجے میں وفاقی حکومت پی پی پی کی سندھ حکومت، ایم کیو ایم، ملٹری قیادت اور پاکستان رینجرز کے مابین بارہا تناؤ آتا رہا ہے۔ مذکورہ بالا کے مابین تناؤ بنیادی طور پر درج ذیل زیرغور سطحوں میں چلتا رہا ہے:

پاکستان رینجرز (سندھ) مینڈیٹ اور اتھارٹی سے بالاتر کام کر رہی ہے؟

پاکستان رینجرز (سندھ) کراچی آپریشن کی قیادت کر رہی ہے۔ کئی ایسی مثالیں ہیں جب تناؤ آیا اور آتا رہا ہے چونکہ صوبائی حکومت سندھ اس امر پر یقین رکھتی ہے کہ پاکستان رینجرز (سندھ)' صوبائی حکومت کو اعتماد میں لئے بغیر' اپنے مینڈیٹ اور اتھارٹی سے بالاتر کام کر رہی ہے۔

مورخہ 15۔جون 2015 کو سندھ بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی (ایس۔بی۔سی۔اے) کے دفتر اور لائنز ایریا ڈویلپمنٹ پراجیکٹ (ایل۔اے۔ڈی۔پی) پر پاکستان رینجرز کے چھاپے کی مثال لیتے ہیں۔ ڈائریکٹر جنرل' پاکستان رینجرز (سندھ) میجر جنرل بلال اکبر مورخہ 4۔جون 2015 کو اپیکس کمیٹی کے سامنے معاملہ رکھتے ہوئے اس امر پر پہلے سے ہی روشنی ڈال چکے ہیں کہ اراضی قبضہ مافیا اور چائنا کٹنگ کراچی میں موجود مربوط دہشت گرد گروہوں کی فنڈنگ کے دو ذرائع ہیں۔ ایس۔بی۔سی۔اے کے سابق ڈائریکٹر جنرل' منظور قادر کی ملک سے مشکوک انداز سے روانگی سے ایس۔بی۔سی۔اے اور ایل۔اے۔ڈی۔پی کی کراچی میں مبینہ اراضی قبضہ واضح اور نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے۔

تاہم 17۔جون 2015 کو وزیر اعلیٰ سندھ سید قائم علی شاہ' ایم پی اے کی جانب سے ڈائریکٹر جنرل پاکستان رینجرز (سندھ) میجر جنرل بلال اکبر کو لکھے گئے خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ سندھ حکومت نے رینجرز کی جانب سے مارے گئے چھاپوں سے استثناء حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ جس میں کہا گیا کہ ''یہ رپورٹ کیا گیا کہ 15۔جون کو ایس۔بی۔سی۔اے اور ایل۔اے۔آر۔پی کے دفاتر پر چھاپے مارے گئے اور افسران کو ہراساں' پکڑ دھکڑ اور ناروا سلوک بھی کیا گیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رینجرز اپنی اتھارٹی اور مینڈیٹ سے بالاتر کام کر رہی ہے۔ اس لئے ایڈوائس کی جاتی ہے کہ آپ کو دی گئی اتھارٹی کے مطابق اپنی نقل و حرکت کو محدود رکھیں''۔[31]

مذکورہ پیش رفت کراچی آپریشن میں اپنی پہلی مثال تھی۔ جس سے لگتا ہے کہ شاید پاکستان رینجرز (سندھ)' صوبائی حکومت سندھ کو اعتماد میں لیے بغیر' ایک خودمختار ادارے کے طور پر کام کر رہی ہے۔ اس نے صوبے کے دائرہ کار میں قانون کے نفاذ میں پاکستان رینجرز (سندھ) کو دستیاب اختیارات پر سوالات بھی اٹھائے ہیں اور وضاحت طلب کی ہے کہ پاکستان رینجرز نے کہاں پر پروٹوکول توڑا ہے جس کی وجہ سے وزیر اعلیٰ کو خط لکھنا پڑا۔

پاکستان رینجرز (سندھ) کو دیا گیا قانونی مینڈیٹ بنیادی طور پر آئین کے آرٹیکل 142 (وفاقی و صوبائی قوانین کا موضوع)' آرٹیکل 147 (وفاق کو فرائض تفویض کرنے کے صوبے کے اختیارات) اور آرٹیکل 148 (صوبوں اور فیڈریشن کے فرائض) کے ساتھ ساتھ قانون انسداد دہشت گردی 1997' سول اختیارات کو روکنے کیلئے آرمڈ فورسز اور سول آرمڈ فورسز کی طلبی اور قانون (ترمیم) انسداد دہشت گردی 2014 کا آرٹیکل 11۔ای۔ای۔ای (حراست میں لینے اور جے آئی ٹی بنانے کے خصوصی اختیارات) کے ارد گرد گھومتا ہے۔ تاہم ان تصریحات کے تحت کہیں بھی نہیں کہا گیا کہ پاکستان رینجرز (سندھ) کو کسی سرکاری دفتر پر چھاپہ مارنے سے پہلے حکومت سندھ کو آگاہ کرنے کی ضرورت ہے۔

اس خط کے جواب میں میجر جنرل بلال اکبر کی جانب سے دیا گیا جواب بھی قابل ذکر ہے۔ میڈیا سے بات چیت کے دوران بیان دیا کہ چھاپہ انٹیلی جنس کی بنیاد پر مارا گیا کہ یاسر نامی ایک مشکوک شخص وہاں (ایس۔بی۔سی۔اے دفتر میں) پر دہشت گردی کا ایک نیٹ ورک چلا رہا ہے۔[32] اسی انٹرویو کے دوران' انہوں نے بیان دیا کہ پاکستان رینجرز (سندھ) وزیر اعلیٰ سندھ' قائم علی شاہ ایم پی اے جنہوں نے فوری طور پر ایک خط بھی جاری کیا' کی سربراہی میں اپیکس کمیٹی کی

جانب سے عطا کردہ اختیارات کے تحت ٹارگٹڈ آپریشنز جیسا کہ سندھ بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی (ایس۔بی۔سی۔اے) کرنے کی جواز ہے۔ تاہم جیسا کہ پلڈاٹ پہلے ہی نوٹ کر چکا ہے' اپیکس کمیٹیوں کی قانونی حیثیت' خاص طور پر قانون سازی کے فورم پر سوالیہ نشان ہے۔ چونکہ اپیکس کمیٹیوں کی تشکیل سے متعلق نہ تو وفاقی اور نہ صوبائی حکومت نے ہی کوئی نوٹیفکیشن جاری کیا ہے۔صرف آئی۔ایس۔پی۔آر نے مورخہ 3۔جنوری 2015 کو اس معاملے پر ایک پریس ریلیز جاری کی۔ تاہم ٹرم آف ریفرنس' تشکیل وغیرہ سے متعلق عوام اندھیرے میں ہے۔

اسی طرح کے ایک واقعہ میں مورخہ 11۔جون 2015 کو پاکستان رینجرز (سندھ) کی جانب سے جاری کردہ ایک پریس ریلیز میں مبینہ طور پر کہا گیا کہ کراچی میں 230 بلین روپے سالانہ غیر قانونی طور پر وصول کئے جاتے ہیں۔ بیانات ہذا ظاہر کرتے ہیں کہ ضلعی حکومت' ضلعی ایڈمنسٹریشن' کنسٹرکشن کمپنیاں' اسٹیٹ ایجنٹس اور پولیس اہلکاران اس دھندے میں ملوث ہیں۔

پیش رفت ہذا ایک اور سرکاری بیان کو ظاہر کرتی ہے۔ کراچی آپریشن کے سلسلے میں ملٹری قیادت کی جانب سے جاری کردہ بیان' حکومت سندھ کے لئے ہے۔ مورخہ 16۔مئی 2015 کو انتہائی اہم کور 5 کے کمانڈر' لیفٹیننٹ جنرل نوید مختار کی تقریر کا انداز ظاہر کرتا ہے کہ صوبے میں سندھ حکومت کی کارکردگی کے ساتھ ساتھ امن و امان سے متعلق فوجی قیادت کو تحفظات ہیں۔ اپیکس کمیٹی کی میٹنگ میں اظہار بیان اور اس کی بنیاد پر جاری کردہ پریس ریلیز کے مابین ہفتہ بھر کا وقفہ بہت سے مبصرین کیلئے الجھن کا باعث بنا۔ دی نیوز میں شائع کردہ ایک رپورٹ [33] میں اس تاخیر کے بعض اشارے بھی فراہم کیے گئے ہیں جن کے مطابق:

''گزشتہ اپیکس کمیٹی میٹنگ (یعنی 4 جون 2015) میں وزیر اعلیٰ نے سنجیدہ مالی جرائم میں وزیروں' سیاست دانوں' بیوروکریٹس کی سنجیدہ مالی جرائم میں ملوث ہونے سے متعلق الزامات جو دہشت گردی اور دیگر سنجیدہ جرائم میں بلواسطہ یا بلا واسطہ حصہ ملاتے ہیں' کو نمٹانے کیلئے ایک کمیٹی تشکیل دینے سے اتفاق کیا۔ تاہم اس کے بعد وزیر اعلیٰ کی پارٹی قیادت سے مشاورت کے بعد' یہ فیصلہ کیا گیا کہ رینجرز کی شکایت کی بنیاد پر وزراء' سیاست دانوں اور بیوروکریسی کے سینئر اراکین کے خلاف کارروائی نہ کی جائے۔''

دراصل یہ وہ صورت ہے جو بدقسمتی سے ظاہر کرتی ہے کہ سندھ میں سول ملٹری تعلقات کیلئے موجود فورمز اور ان کی اثر پذیری بڑی حد تک ختم ہو چکی ہے۔ سندھ حکومت نے وزیر اعلیٰ کے حکم پر' بالآخر 12۔جون 2015 کو ایک کمیٹی تشکیل دے دی تاہم بہت سے مبصرین کیلئے یہ ایک فریب' کے سوا کچھ نہیں تھا چونکہ کمیٹی اپنی تشکیل کی بنیاد پر ہی قابل اعتراض ہے جو دو بے اختیار عدلیہ کے سابق (جو ابھی کام نہیں کر رہے) اراکین اور سیکرٹری داخلہ سندھ (جو وزیر داخلہ اور وزیر اعلیٰ کو رپورٹ کرتا ہے) پر مشتمل ہے' تاہم توقع کی جا سکتی ہے یہ اس جستجو کا حصہ ہے جو وزیر اعلیٰ یا ان کی کابینہ کے ساتھیوں اور پارٹی کا مریڈز کو الجھن میں ڈال سکتی ہے۔

سینئر پی پی پی ورکر' لاڑکانہ کا محمد علی (جو اسد کھرل کے نام سے زیادہ جانا جاتا ہے) کی گرفتاری سے جڑا تنازعہ ان دو کے مابین جانے والے تناؤ کو ٹھیک ٹھیک نمایاں کرتا ہے جو تقریباً اس کیس میں دو بدو مقابلے کو یکا یک برپا کرتا ہے۔[34] صوبائی وزیر داخلہ سہیل انور سیال' ایم پی اے کے مشتبہ فرنٹ مین ہونے کے الزامات کے ساتھ' یہ بھی الزام ہے کہ وہ لاڑکانہ کی میونسپل ایڈمنسٹریشن میں گھوسٹ ملازم بھی ہے۔[35] اس گرفتاری نے سندھ میں پی پی پی قیادت کو خوف میں مبتلا کر دیا۔ تب وزیر اعلیٰ سندھ' سید قائم علی شاہ' ایم پی اے نے اس مسئلے کو حل کرنے کیلئے 23 جولائی 2016 کو کور 5 کمانڈر' لیفٹیننٹ جنرل نوید مختار سے میٹنگ کی۔ موخر الذکر نے بظاہر وزیر اعلیٰ کو یقین دہانی کرائی کہ رینجرز کسی سرکاری اہلکار یا محکمے کے خلاف کوئی اقدام نہیں اٹھائے گی یا وزیر اعلیٰ کی اجازت کے بغیر دیہی سندھ میں کوئی ٹارگٹڈ آپریشنز نہیں کرے گی۔[36] یہ سندھ میں پی پی پی قیادت کا بارہا مطالبہ رہا ہے جس کی عکاسی 16 دسمبر 2015 کو صوبائی اسمبلی سندھ کی جانب سے منظور کردہ قرارداد میں نظر آئی۔[37]

تاہم زیر بحث مسئلہ میں نظر آیا کہ پاکستان رینجرز (سندھ) نے اپنے آپریشن کو سندھ کے دوسرے حصوں تک بھی توسیع دی جبکہ ان کے سپیشل پولیسنگ اختیارات

صرف کراچی کیلئے ہیں۔[38] درحقیقت ڈائریکٹر جنرل پاکستان رینجرز (سندھ) میجر جنرل بلال اکبر کی ایماء' ایک سرکاری مطالبے کے طور پر بھی وارد ہوئی ہے جنہوں نے بیان دیا کہ ''سندھ کے دیگر شہروں میں ایکشن کے بغیر امن ممکن نہیں'۔۔۔ہم اسے قانون کے مطابق زیرِغور لا رہے ہیں''[39]۔ تاہم پی پی پی قیادت نے اس مطالبے کو ماننے سے اعتراض کرتا جس کی عکاسی 3۔اگست 2016 کو جاری کئے گئے نوٹیفکیشن میں نظر آئی۔ اس امر کو برقرار رکھتے ہوئے کہ صوبے کے بعض حصوں میں سپیشل پولیسنگ اختیارات کو توسیع دینے کی ضرورت نہ ہے' تاہم رینجرز چھاپے مارنے میں خودمختار ہے لیکن پولیس کی ہمراہی میں مارے گی۔

پاکستان رینجرز (سندھ) کو سپیشل پولیسنگ اختیارات عطا کرنا

پاکستان رینجرز (سندھ) کو سپیشل پولیسنگ اختیارات عطا کرنے کا ایک اور کٹھن مسئلہ رہا ہے۔

اگرچہ سندھ حکومت نے جون 2015 تا جولائی 2016' 5 بار پاکستان رینجرز (سندھ) کے سپیشل پولیسنگ کو توسیع دی' تازہ ترین 90 دن کے عرصہ کی توسیع مورخہ 3۔اگست 2016 کو ایک نوٹیفکیشن کے ذریعے دی گئی' تاہم یہ مسئلہ وفاقی حکومت' صوبائی حکومت سندھ' ملٹری قیادت اور پاکستان رینجرز (سندھ) کے مابین وجہ نزاع نظر آتا ہے۔ آثار بتا رہے ہیں کہ اس پر مزید ناموافقت بھی آئے گی۔

اگر مختصراً کہا جائے تو مسئلہ ہذا نے نومبر' دسمبر 2015 میں بے شمار سیاسی اتار چڑھاؤ دیکھے۔ اس سلسلے میں' اس عرصہ کے دوران معاملہ انتہا کو پہنچ گیا۔ اس (مسئلے) نے اس وقت فوری اہمیت حاصل کر لی جب رینجرز کو سپیشل پولیسنگ اختیار کی ڈیڈ لائن 6۔دسمبر 2015 کو ختم ہوگئی۔ سندھ حکومت نے ماضی کے برعکس اس مسئلے کو مختلف انداز سے اٹھانے کا فیصلہ کیا کہ معاملے کو صوبائی اسمبلی سندھ کے سپرد کیا جائے۔ گزشتہ ادوار میں سندھ حکومت نے اس سلسلے میں صوبائی اسمبلی کی مشاورت کے بغیر نوٹیفکیشن جاری کیا تھا۔ پہلی بار ایسا ہوا ہے کہ سندھ حکومت اکتوبر 2013 میں کراچی آپریشن کے شروعات سے اپنے موقف پر ڈٹی رہی۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ آرٹیکل 147 بیان کرتا ہے کہ 60 دنوں کے اندر توثیق کیلئے متعلقہ معاملے کو صوبائی اسمبلی میں لایا جائے۔ وزیراعلیٰ نے 16 جولائی 2015 کو کراچی ڈویژن میں رینجرز کی طلبی کیلئے منظوری دے دی' تاہم ایک تاخیر سے 9 دسمبر 2015 کو معاملہ اسمبلی کے سامنے لایا گیا۔

اسمبلی سے توثیق کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ سندھ حکومت' صوبے میں مختلف سرکاری محکموں پر رینجرز کے چھاپوں کی وجہ سے اکثر ہراساں رہی ہے۔ بعض مبصرین کے مطابق آپریشن میں مزاحمت کرنے اور اس عمل میں وفاقی حکومت کو ہراساں کرنے کیلئے معاملہ اسمبلی میں لایا گیا۔ چونکہ وفاقی حکومت کراچی آپریشن کے پیچھے پختہ عزم کے ساتھ کھڑی ہے' رینجرز کی اتھارٹی سے بالاتر کام کرنے کے الزامات کے ساتھ صوبائی اسمبلی سندھ نے سندھ حکومت کے 16 جولائی 2015 کو پاکستان رینجرز (سندھ) کے تعینات کرنے کے فیصلے کی توثیق کی۔ تاہم قرارداد' استثنائی شق کے ساتھ متعارف کرائی گئی۔ رینجرز کے آپریشنل طریق کار کے سلسلے میں شرائط کے ساتھ پیش وہ شرائط درج ذیل ہیں:

ا۔ یہ کہ پاکستان رینجرز (سندھ) کے پاس صرف درج ذیل اختیارات ہوں گے:

الف۔ ٹارگٹ کلنگ
ب۔ تاوان/بھتہ
ج۔ اغواء برائے تاوان
د۔ فرقہ وارانہ قتل

۲۔ یہ کہ کوئی شخص جو دہشت گردی میں براہ راست ملوث تو نہ ہو اور صرف دہشت گردوں کی امداد یا معاونت کرنے پر مشکوک یا کسی طرح دہشت گردوں کی مالی معاونت یا دہشت گردوں کی سہولت کاری میں ملوث ہو' حکومت سندھ یعنی وزیراعلیٰ کی پیشگی تحریری منظوری کے بغیر استعدادی تحویل میں نہیں رکھا جائے گا۔

۳۔ یہ کہ پاکستان رینجرز (سندھ) حکومت سندھ کے کسی دفتر یا کسی دیگر اتھارٹی پر چھاپے' چیف سیکرٹری' حکومت سندھ کی پیشگی تحریری منظوری کے بغیر نہیں مارے گی۔

۴۔ جیسا کہ مذکورہ بالا ضمن 1 میں مذکور ہے' پاکستان رینجرز (سندھ) سندھ پولیس کے علاوہ دیگر انسٹی ٹیوشن/ آرگنائزیشن کی اپنے اقدامات کی تعمیل کیلئے معاونت نہ کرے گی۔

۵۔ یہ کہ مزید وضاحت کی جاتی ہے کہ حکومت سندھ پاکستان رینجرز (سندھ) اور سندھ پولیس کو کوئی اختیارات عطا کرنے سے پہلے درج بالا جملہ شرائط کو زیر غور لائے گی۔

اگرچہ محدود اختیارات اور مخصوص علاقوں میں وزیر اعلیٰ کی رضا مندی کی مقتضات کے ساتھ مزید 60 دنوں تک رینجرز کے اختیارات میں توسیع دینے کیلئے سندھ حکومت کی جانب سے سمری پیش کی گئی' تاہم وفاقی حکومت نے سمری مسترد کر دی اور رینجرز کے پاس مکمل پولیسنگ اختیارات بحال رکھتے ہوئے کہا کہ صوبائی اسمبلی کی قرارداد وفاقی قانون میں ترمیم نہیں کر سکتی۔

پی پی پی نے صوبائی اسمبلی سندھ کی منظور کردہ قرارداد کو وفاقی حکومت کی جانب سے مسترد کئے جانے کو آئین کے تحت دی گئی صوبائی خودمختاری پر ایک حملہ قرار دیا۔ خاص طور پر پی پی پی چیئرمین' بلاول بھٹو زرداری نے وفاقی حکومت پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ اگرچہ پی پی پی نے انسداد دہشت گردی کی کوششوں کی حمایت کی ہے لیکن ایکشن پلان اب ن لیگ کے سیاسی انتقام کا ایک آلہ کار بن گیا ہے۔[40]

ایسا دکھائی دیتا ہے کہ صوبائی حکومت سندھ نے صوبے میں پاکستان رینجرز (سندھ) کے اختیارات اور برطرفی کے سلسلے میں مسلسل انحراف کرتے ہوئے ایک میلان طبع بنا لی ہے۔ جبکہ دسمبر 2015 اور جنوری 2016 کے مہینوں میں وفاقی حکومت کے ساتھ لڑنے پر تیار نظر آئی۔ صوبائی اسمبلی سندھ سپیشل پولیسنگ اختیارات کو بروئے کار لانے میں شرائط عائد کرتے ہوئے سندھ حکومت نے مورخہ 17 فروری 2016 کو 90 دنوں کیلئے بغیر کوئی مسئلہ اٹھائے ان اختیارات کے لئے غیر مشروط توسیع عطا کی۔

سپیشل پولیسنگ اختیارات دینے کے تازہ ترین واقعہ میں کراچی ڈویژن کیلئے رینجرز کے سپیشل پولیسنگ اختیارات[41] 77 دنوں کیلئے مورخہ 9 مئی 2016 کو وفاقی وزیر داخلہ کی جانب سے نوٹیفائی کئے گئے اور یہ عرصہ 19 جولائی 2016 کو ختم ہوا تھا[42]۔ دوسری طرف' ایک سال کے عرصہ کیلئے 30۔ جولائی 2015 کو وفاقی وزیر داخلہ کی جانب سے[43] سندھ میں رینجرز تعینات کرنے کو آخری بار نوٹیفائی کیا گیا۔ اس مدت کو 31 جولائی 2016 کو ختم ہونا تھا۔

تاہم' سندھ کی صوبائی حکومت نے وفاقی حکومت سے رینجرز کے قیام میں ایک بار پھر توسیع اور اس کو پولیس کے خصوصی اختیارات دینے سے متعلق عمل میں درخواست کرنے میں تاخیر کی۔ وزارت داخلہ کی جانب سے رینجرز کو کراچی میں 90 ایام کیلئے پولیس کے خصوصی اختیارات دینے سے متعلق حتمی نوٹیفکیشن جاری کیا گیا اور ان کی 3۔ اگست 2016 کو سندھ میں پورے سال کیلئے تعیناتی کی گئی' اس طرح رینجرز 20 جولائی 2016 سے تقریباً دو ہفتوں سے غیر قانونی طور پر کام کر رہی تھی۔

پی پی پی اور ایم کیو ایم کے کارکنان کی گرفتاری

کراچی آپریشن اور سول ملٹری تعلقات سے متعلق ایم کیو ایم اور پی پی پی کی قیادت کی جانب سے یہ دعویٰ کیا گیا کہ یہ آپریشن صرف ان دونوں جماعتوں کے خلاف کیا جا رہا ہے جس نے سیاسی ہیجان برپا کر دیا۔

ان گرفتاریوں کے سلسلہ میں سے سب سے اولین گرفتاری ڈاکٹر عاصم حسین کی تھی جو پی پی پی کے سینئر رکن ہیں اور جو 25 اگست 2015 کو ہائیر ایجوکیشن کمیشن سندھ کے چیئر پرسن کے طور پر خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ ابتدائی طور پر ڈاکٹر عاصم حسین کو دہشت گردی کی سہولت کاری کے الزامات پر گرفتار کیا گیا اور

قانون تحفظ پاکستان 2014 کے تحت رینجرز کی تحویل میں رکھا گیا اور بعد میں ان کا کیس بدعنوانی کے الزامات پر قومی احتساب بیورو کے سپرد کر دیا گیا۔[44] اس معاملے کو پاکستان رینجرز (سندھ) کی ضد سے جوڑا گیا۔ اس نے ڈاکٹر عاصم حسین کے خلاف دہشت گردی کی سہولت کاری کے الزامات کو کرپشن میں بدل دیا۔ جس کا مقصد ان کو کسی نہ کسی طرح جیل میں رکھنا تھا۔ ان کی گرفتاری کے بارے ایک عام تاثر یہ ہے کہ فوجی قیادت یا تو پی پی پی کی اعلیٰ سطح کی قیادت کو گرانا چاہتی ہے یا ان کی گرفتاری کو سندھ کی صوبائی حکومت کے خلاف استعمال کرنا چاہتی ہے۔

ان دعوں میں کچھ صداقت ہوسکتی ہے۔ ڈاکٹر عاصم حسین کی 15 جون 2016 کو منظر عام پر آنے والی مشکوک اعترافی ویڈیو جس میں انہوں نے پی پی پی کی سینئر قیادت، جناب اویس مظفر ٹپی پر ہر طرح کی کرپشن میں ملوث ہونے کا الزام لگایا۔[45] جیسے ہی ویڈیو سوشل میڈیا پر آئی، ٹیلی ویژن پر اس پر پروگرامز بھی کئے گئے۔ اس کے ذریعے کا پتہ نہ چل سکا۔ مزید برآں، 16 جون 2016 کو ڈاکٹر عاصم حسین کے وکیل نے یہ دعویٰ کیا ان کے موکل کو زبردستی جرم قبول کرنے کیلئے مجبور کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر عاصم حسین اس اعترافی ویڈیو کے بارے میں کوئی بھی تفصیلات نہیں بتاتے ہیں۔[46] یہ واقعہ صولت مرزا کی جیل سے اعترافی ویڈیو کے منظر عام پر آنے سے مشابہت رکھتا ہے جو اس کی پھانسی سے چند گھنٹے پہلے منظر عام پر آئی۔ اس صورت میں بھی، اس ویڈیو کا پتہ نہ چلایا جا سکا اور اسی وجہ سے سزائیں بھی نہ دی جا سکیں۔

پاکستان رینجرز (سندھ) اور ایم کیو ایم کے درمیان گرما گرمی اس وقت بڑھ گئی جب مئی 2015 میں پاکستان رینجرز (سندھ) نے نائن زیرو پر چھاپا مارا جن میں ایم کیو ایم کے رہنماؤں جناب کیف الوریٰ اور جناب قمر منصور کی گرفتاری بھی عمل میں لائی گئی۔ نتیجتاً ایم کیو ایم نے آپریشن کے آغاز سے سپریم کورٹ میں 171 اراکین کے لاپتہ ہونے کی ایک فہرست جمع کروائی جن میں سے 90 فیصد کو رینجرز نے ان کی رہائش گاہ سے اٹھایا۔ لاہور ہائی کورٹ کی جانب سے الطاف حسین کی میڈیا کوریج پر پابندی عائد کر دی گئی اور رینجرز نے ایم کیو ایم کے سینئر قائدین کے گھروں پر متواتر چھاپے مارنے شروع کر دیئے جیسا کہ ڈاکٹر فاروق ستار کے گھر پر 23 جون 2016 کو چھاپہ مارا گیا۔

یہ معاملہ اس وقت منظر عام پر آیا جب ایم کیو ایم کا کارکن، آفتاب احمد جو فاروق ستار کے اسسٹنٹ کے طور پر کام کر رہا تھا، 3 مئی 2016 کو رینجرز کی تحویل میں ہلاک ہو گیا۔ آفتاب احمد کو اس کی رہائش گاہ سے حراست میں لیا گیا تھا اور 2 مئی 2016 کو 90 دنوں کے ریمانڈ پر انسداد دہشت گردی کی عدالت کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔[47]

اگرچہ ابتدائی طور پر پاکستان رینجرز (سندھ) نے انکار کیا لیکن بعد میں ڈائریکٹر جنرل آف رینجرز میجر جنرل بلال اکبر نے یہ تسلیم کیا کہ ایم کیو ایم کا کارکن رینجرز کی تحویل میں تشدد کی وجہ سے ہلاک ہوا کیونکہ تفتیش کے دوران ''سٹینڈرڈ آپریٹنگ پروسیجر'' اختیار نہ کیا گیا۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے بھی تصدیق ہوئی کہ آفتاب احمد کے جسم پر 35 سے 40 فیصد تک سوجن اور خراشیں تھیں۔ اسی اثناء میں چیف آف آرمی سٹاف نے متعلقہ اتھارٹی کو اس واقعہ کی انکوائری کرنے کی ہدایات جاری کیں جس کے بعد رینجرز کے چار اہلکاروں کو حراست میں لے لیا گیا۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ چیف آف آرمی سٹاف کی جانب سے انکوائری، انصاف اور ایسے واقعات کی روک تھام کیلئے معاون ثابت ہوگی۔

درحقیقت ایم کیو ایم کو کراچی آپریشن سے متعلق بہت زیادہ شکایات تھیں۔ خاص طور پر مارچ 2015 سے ان کے بڑھتے ہوئے غصے اور پارٹی کا صوبائی اسمبلی سندھ، پاکستان سینیٹ، اور قومی اسمبلی آف پاکستان سے استعفے کے بعد حکومت نے 16 اکتوبر 2015 کو کراچی آپریشن کیلئے شکایات ازالہ کمیٹی قائم کی۔ کمیٹی بنیادی طور پر جسٹس (ریٹائرڈ) ناصر اسلم زاہد، جسٹس (ریٹائرڈ) خلیل الرحمٰن خان، جسٹس (ریٹائرڈ) اجمل میاں، بیرسٹر فروغ نسیم اور سیکرٹری داخلہ (کنونیر) پر مشتمل تھی۔ اگرچہ فروغ نسیم نے 30۔ اکتوبر 2015 کو اپنا استعفا جمع کروا دیا، تاہم یہ معلوم ہوتا ہے کہ کمیٹی کا قیام صرف دھوکہ ہے کیونکہ کراچی آپریشن سے متعلقہ تمام فیصلے ایپکس کمیٹی سندھ کی جانب سے کئے جاتے ہیں جہاں ظاہری طور پر ایم کیو ایم کی کوئی نمائندگی نہیں ہے۔

سندھ میں پولیس کا کمزور نظام

کراچی میں رینجرز کی جانب سے مجرموں کے خلاف آپریشن کی حمایت کرتے ہوئے پلڈاٹ اس امر پر یقین رکھتا ہے کہ کراچی آپریشن کے خدوخال، شہر میں سول ملٹری تعلقات، خاص طور پر پاکستان رینجرز (سندھ) کے وجود اور برتری اور سندھ پولیس کے بحران سے نمٹنے کیلئے بظاہر نااہلی کے بارے میں واضح کہانی بیان کرتے ہیں۔ یہ کراچی میں کام کرنے والی سول اور ملٹری قانون نافذ کرنے ایجنسیوں (ایل ای اے) کے درمیان واضح عدم توازن کو بیان کرتی ہے اور افسوسناک حد تک مسلسل صوبائی حکومتوں کی جانب سے آپریشن کو سیاسی مقاصد سے پاک کرنے کی بجائے اپنے مقاصد کیلئے پولیس فورس کو استعمال کر رہی ہے۔ پلڈاٹ اس امر پر یقین رکھتا ہے کہ یہ ظاہری نااہلی اور پاکستان رینجرز (سندھ) پر بھروسہ سویلین کیلئے امن عامہ برقرار رکھنے میں مددگار نہیں ہے جو پاکستان کی ملٹری اور پیراملٹری فورسز پر غیر ضروری بوجھ ہے۔

اگرچہ آرڈیننس رینجرز پاکستان 1959 کا آرٹیکل 7 (بی) بیان کرتا ہے کہ فورس (پاکستان رینجرز)، جہاں ضروری ہو، امن عامہ برقرار رکھنے کے لئے پولیس کی مدد کرے گی۔ پیراملٹری فورس (جس کے اہلکار پاکستان آرمی کی جانب سے ہیں اور بنیادی طور پر بارڈر کی سیکیورٹی کیلئے ہیں) کی 1980 کے آخر سے سندھ میں تعیناتی کراچی میں تشدد روکنے کیلئے سب سے اہم ہے جبکہ پولیس سروس آف سندھ مددگار فورس کے طور پر کام کر رہی ہے۔

یہ متعدد بار دیکھا گیا ہے کہ جب بھی شہر میں تشدد کی لہر آتی ہے تو تمام صوبائی حکومتیں پولیس کے نظام میں اصطلاحات کرنے کی بجائے پاکستان رینجرز (سندھ) کو بااختیار بنانے کیلئے فیصلے کرتی ہیں۔ 1992 میں آپریشن کلین اپ، 96-1994 میں آپریشن بلو فاکس، جولائی 2011 میں بہت زیادہ تشدد، ستمبر 2013 میں پی ایم ایل۔این کی جانب سے شروع کیا جانے والا آپریشن وغیرہ ان سے زیادہ کوئی بھی تشریح نہیں کر سکتا جس میں رینجرز نے پولیس کی مدد میں کریک ڈاؤن کی قیادت کی۔ یہاں کراچی میں امن عامہ کی صورتحال پر سپریم کورٹ کا فیصلہ (از خود نوٹس کیس نمبر 16 بابت 2011) پولیس فورس پر ایک سنجیدہ سوالیہ نشان ہے۔ اس وقت کے آئی جی پی سندھ کے بیان کا حوالہ دیتے ہوئے فیصلے میں کہا گیا کہ:

''آئی جی پی سندھ نے تسلیم کیا کہ 30 سے 40 فیصد پولیس فورس تعاون نہیں کرتی، یا تو انہوں نے سیاسی اثرورسوخ کی بناء پر اپنی تقرریاں محفوظ کی ہوئی ہیں یا انہوں نے دیگر گروپس بشمول سیاسی پارٹیوں سے تعلقات بنائے ہوئے ہیں جن کے کراچی کے معاملات میں پوشیدہ فائدے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھار کافی مشکل ہو جاتا ہے کہ اصل مجرموں کے خلاف موثر طریقے سے کارروائی کی جا سکے۔''

کسی چیز سے بھی زیادہ، کراچی میں امن عامہ کی غیر یقینی صورتحال پر صوبہ میں پولیس کے نظام میں بہتری لانے کیلئے اصلاحات کی ضرورت ہے۔ ماہرین اس امر پر یقین رکھتے ہیں کہ صوبائی حکومت کی جانب سے سیاسی طور پر تعیناتیوں اور تبادلوں نے پولیس فورس کو تباہ کر دیا ہے۔ نتیجے کے طور پر کراچی میں امن عامہ کی سالوں سے خراب صورتحال ہے۔ پاکستان رینجرز (سندھ) کو افراتفری ختم کرنے کیلئے بلایا جاتا ہے جو گزشتہ 25 سالوں سے قانون نافذ کرنے والے اداروں میں ایک مستقل ضرورت بن چکی ہے۔

ممکن ہے کہ اسی وجہ سے 29 جون 2016 کو معزز چیف جسٹس سپریم کورٹ، جناب جسٹس انور ظہیر جمالی نے نیوز رپورٹ کی روشنی میں سندھ پولیس میں صوبائی اتھارٹیز کی جانب سے مبینہ سیاسی مداخلت کے بارے میں ازخود نوٹس لیا۔ اسی طرح 27 جون 2016 کو وفاقی وزیر داخلہ چودھری نثار علی خان، ایم این اے نے اعلان کیا کہ سندھ پولیس میں بہتری لانے کے لئے 2000 ریٹائرڈ فوجی اہلکاران کو بھرتی کیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ پاک فوج سندھ پولیس کو صرف تربیت دینے میں معاونت فراہم کرے گی نہ کہ بھرتی کے عمل میں۔

پورے ملک میں قانون کی حکمرانی اور پولیس کو غیر سیاسی بنانے اور اس کی قابلیت بڑھانے کیلئے بہت زیادہ اصلاحات کی ضرورت ہے جو سندھ میں بہت زیادہ

خراب ہے۔ تاہم سندھ میں اس بارے میں بہت کم توجہ دی گئی گویا امن عامہ کو بحال رکھنا رینجرز کی قانونی ذمہ داری بن گئی ہے۔

سندھ پولیس کی اہلیت پر بھروسے کے فقدان کا اندازہ اس بات سے واضح ہے کہ پاکستان رینجرز (سندھ) کے ڈائریکٹر جنرل نے 7 مارچ 2016 کو کراچی میں امن عامہ کی صورتحال پر کارروائی کے دوران سپریم کورٹ سے استدعا کی کہ وہ پیراملٹری فورس کو اجازت دے کہ وہ کراچی میں اپنے پولیس اسٹیشنز قائم کریں۔ میجر جنرل بلال اکبر نے سماعت کے دوران اپیکس کورٹ کے سامنے سندھ حکومت پر الزام لگایا کہ بہت زیادہ تبادلہ کی پالیسی کی وجہ سے پولیس کی کارکردگی خراب ہوئی ہے۔

بلوچستان میں سول ملٹری تعاون

اگرچہ سندھ میں سول ملٹری تعلقات میں تناؤ دیکھا گیا لیکن بلوچستان میں صورتحال کافی حد تک مختلف تھی۔ درحقیقت بلوچستان میں امن عامہ کی بحالی سب سے اہم حکومتی اقدام تھا۔ عوامی منتخب کردہ حکومت اور فوجی قیادت کے درمیان تعاون کی بڑھتی ہوئی خوش آئند مثالیں موجود تھیں جن میں درج ذیل شامل ہیں:

ا۔ کوئٹہ میں 6۔اگست 2015 کو صوبائی اپیکس کمیٹی آف بلوچستان کے اجلاس کے دوران وزیراعظم نے پرامن بلوچستان پلان کا اعلان کیا تاکہ ناراض بلوچوں کو قومی دھارے میں واپس لایا جا سکے۔ یہ صوبائی حکومت کی ناراض ہونے والوں کو منانے کی کوششوں کو سہولت پہنچانے کیلئے کیا گیا اور اس کے فائدہ بخش ہونے کا جائزہ لینا ابھی باقی ہے۔

۲۔ حکومت بلوچستان نے 25 جون 2015 کو صوبہ میں ان نوجوانوں کیلئے جو ہتھیار ڈالیں گے اور تشدد سے باز آ جائیں گے، عام معافی کا اعلان کیا۔

۳۔ ناراض بلوچ رہنماؤں بشمول خان آف قلات اور جناب براہمدغ بگٹی سے مذاکرات کی بڑھتی ہوئی لیکن ظاہری طور پر غیر واضح کاوشیں۔

جہاں تک دونوں آپٹکس اور تعداد کا تعلق ہے بلوچستان میں اب قومی سرکشی اتنی زیادہ عام نہ تھی جتنی یہ پہلے تھی۔ 31۔اگست 2015 کو محکمہ داخلہ حکومت بلوچستان کی جانب سے سرکاری اعداد و شمار اس بارے میں واضح طور پر مثبت رجحان کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ حکومت کی جانب سے اکٹھے کئے جانے والے ڈیٹا کے مطابق جنوری سے جولائی 2015 کے دوران صوبہ میں فائرنگ کے شکار افراد کی تعداد 76 تھی جبکہ جنوری تا جولائی 2014، یہ تعداد 166 تھی (جو 2014 سے موازنہ کے طور پر 54 فیصد کم تھی)۔ اسی طرح جنوری تا جولائی 2015 تک اقلیتوں، نوآباد باشندوں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے اہلکاران پر حملوں کی صورت میں مارے جانے والوں کی تعداد 143 تھی جبکہ جنوری تا جولائی 2014، ان کی تعداد 276 تھی (جو 2014 سے موازنہ کے طور پر 48 فیصد کم تھی)۔ ان واقعات کی تعداد خاص طور پر اس طرز پر بہت معنی خیز انداز سے کم ہوئی۔ تاہم صوبہ میں دہشت گردی کے اکا دکا واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ اسی طرح صوبہ میں قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں کی غفلت کی وجہ سے،

یہ ان کی فرائض کی انجام دہی میں بڑھتے ہوئے پیمانے پر لاپرواہی کو ظاہر کرتی ہے۔ ممکن ہے کہ اسی وجہ سے فوجی قیادت نے صوبہ میں امن عامہ کی صورتحال کا جائزہ لینے پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔

بدعنوانی پر پاکستان مسلح افواج کی جانب سے اپنے عہدیداروں کے خلاف کارروائی

روائتی طور پر سویلین شعبہ جات میں کرپشن پر فوج کی تنقید سے ایسے لگتی ہے کہ وہ اس کرپشن سے پاک ہیں جبکہ کرپشن پر آرمڈ فورسز میں جوابدہی کے نظام کو سمجھنا کسی حد تک مشکل اور مبہم ہے اور عوام الناس کیلئے ابھی تک غیر واضح ہے۔ زیر بحث عرصہ میں دو قسم کی پیشرفت ہوئی جو فوج کے احتساب کے نظام میں آگاہی فراہم کرتی ہے جو اس طرح ہیں:

این ایل سی سکینڈل میں سزایابی

5۔ اگست 2015 کو آئی ایس پی آر کی جانب سے پریس ریلیز جاری کی گئی جس میں کہا گیا کہ دو ریٹائرڈ جنرل آفیسرز جو نیشنل لاجسٹک سیل (این ایل سی) فراڈ میں ملوث تھے ان کو قانون پاکستان آرمی 1952 کے تحت سزا دی گئی اور نوکری سے برخاست کر دیا گیا ہے۔

این ایل سی فراڈ فروری 2009 میں اس وقت منظر عام پر آیا جب پبلک اکاؤنٹس کمیٹی (پی اے سی) نے دیکھا کہ نیشنل لاجسٹک سیل (این ایل سی) کی انتظامیہ نے غیر فہرست شدہ کمپنیوں/اداروں سے شیئرز خرید کر سٹاک ایکسچینج میں سرمایہ کاری کی جو بورڈ آف ڈائریکٹر کی ہدایات کے منافی ہے۔ میڈیا رپورٹس کے مطابق انہوں نے نہ صرف کمرشل بینکوں سے بہت زیادہ شرح سود پر قرضہ لیا بلکہ پنشنروں کے پیسوں کی بھی سٹاک ایکسچینج میں سرمایہ کاری کی۔ اس عمل کے دوران آڈٹ سے پتہ چلا کہ انہوں نے سٹاک ایکسچینج میں 4 بلین روپے کی سرمایہ کاری کی جس سے تقریباً 1.8 بلین روپے کا نقصان ہوا۔[48]

بعد میں سیکرٹری پلاننگ اینڈ ڈویلپمنٹ نے باقاعدگیوں کو جانچنے کیلئے کمیٹی قائم کی اور پی اینڈ ڈی ڈویژن نے وزارت دفاع (ایم او ڈی) کے ذریعے جی ایچ کیو کو سفارشات ارسال کیں۔ ستمبر 2010 میں وزارت داخلہ کی جانب سے موصول ہونے والے خط کے بعد، اس وقت کے چیف آف آرمی سٹاف، جنرل اشفاق پرویز کیانی نے مجرموں کے خلاف سول کورٹ یا قومی احتساب بیورو (این اے بی) کی بجائے پاکستان آرمی ایکٹ کے تحت کارروائی کرنے کا فیصلہ کیا۔ نومبر 2010 میں اعلیٰ درجہ کی فوجی انکوائری کا آغاز کیا گیا جس کی صدارت لیفٹیننٹ جنرل کے عہدے کے افسر نے کی جو ابتدائی حقائق کو سامنے لائے اور انکوائری رپورٹ چیف آف آرمی سٹاف کو جمع کروا دی گئی۔ چیف آف آرمی سٹاف نے فیصلہ کیا کہ انتظامی کارروائی یا رسمی تفتیش کی جائے۔ 14 ستمبر 2012 کو آئی ایس پی آر کی جانب سے جاری کردہ پریس ریلیز کے مطابق، انتظامی کارروائی کرنے کیلئے چیف آف آرمی سٹاف کو اپنے صوابدیدی اختیارات استعمال کرنا پڑیں گے جبکہ 16 نے رسمی تفتیش کی حمایت کی جو کہ بہت زیادہ منصفانہ اور شفاف ہے۔ چیف آف آرمی سٹاف نے رسمی تفتیش کا چناؤ کیا۔ رسمی تفتیش کی روشنی میں ثبوت کی سمری کا حکم جاری کیا گیا۔ 4 ستمبر 2012 کو آئی ایس پی آر کی جانب سے جاری کردہ پریس ریلیز کے مطابق، ثبوت کی سمری کی ریکارڈنگ کیلئے، یہ ضروری تھا کہ قصوروار افسران کو پاکستان آرمی ایکٹ (پی اے اے) کے تحت لایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ قصوروار افسران کے خلاف فوج نے کارروائی کی۔ معاملے کو بعد میں ملتوی کر دیا گیا جو اگست 2015 کو انجام پر پہنچ گیا۔

اگرچہ پلڈاٹ اس کیس میں فوجی قیادت کی جانب سے کئے جانے والے احتساب اور آئی ایس پی آر کی جانب سے اس معاملے میں سرکاری بیان جاری کئے جانے کی ستائش کرتا ہے، لیکن اس امر پر یقین رکھتا ہے کہ اس فیصلے پر چند شکوک ابھی بھی موجود ہیں۔

سب سے پہلے کیا یہ اس وقت کے آرمی چیف کے لئے مناسب تھا کہ وہ مجرم کے خلاف سول کورٹ یا نیب میں جانے کی بجائے پاکستان آرمی ایکٹ کے تحت کارروائی کرے؟ 14 ستمبر 2012 کو جاری کردہ آئی ایس پی آر کی پریس ریلیز کے مطابق، پاکستان آرمی ایکٹ کی دفعہ 92 کے مطابق آرمی افسران کے خلاف

کارروائی کی گئی۔ پریس ریلیز میں یہ بھی کہا گیا کہ بات اہم ہے کہ حکومت کو مالی نقصان کے کیسز میں وقت رکاوٹ نہ ہے اور 18 پی اے اے کی دفعہ 90 اور 92 کو قابل عمل بناتی ہے۔ پاکستان آرمی ایکٹ کی دفعہ 92 بیان کرتی ہے کہ قانون ہذا کے تحت کوئی بھی شخص جرم کرتا ہے یا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس شخص کو فوجی تحویل میں رکھا جائے گا اور اس کو اسی جرم کی سزا دی جائے گی۔

یہ بات اہم ہے کہ ظاہری طور پر کوئی بھی ثبوت موجود نہیں ہے جو یہ بتائے کہ جن افسران سے تفتیش کی گئی ان کو پاکستان آرمی ایکٹ کی دفعہ 92 کے تحت اٹھایا گیا اور آرمی کی تحویل میں رکھا گیا۔ اس سے اہم سوال اٹھتا ہے کہ فوجی اہلکاران جن کو این ایل سی فراڈ میں ملزم قرار دیا گیا وہ 2004 تا 2008 کے دوران (جب جرم ہوا) فوج کا حصہ تھے یا نہیں؟ اگر پہلی بات درست ہے تو قانون ان کو فوج میں واپسی اور پاکستان آرمی ایکٹ کے تحت کارروائی کرنے سے استثناء مہیا کرتا ہے اگرچہ وہ ریٹائرڈ بھی ہو گئے ہوں۔ میڈیا رپورٹس[49] کے مطابق لیفٹیننٹ جنرل خالد منیر خان اور لیفٹیننٹ جنرل محمد افضل مظفر این ایل سی میں سروس کے دوران آرمی سے ریٹائرڈ ہوئے۔ یہ نقطہ قابل غور ہے کہ ان کے خلاف سول کورٹس یا نیب کے ذریعے کارروائی کی جانی چاہئے تھی نہ کہ پاکستان آرمی ایکٹ کے تحت کارروائی کی جاتی۔ دوسری جانب میجر جنرل خالد ظہیر اختر، جنہوں نے 2002 سے 2008 تک این ایل سی کے ڈائریکٹر جنرل کے طور پر خدمات سرانجام دیں وہ فوج کا حصہ تھے اور نوکری سے ریٹائرڈ نہ ہوئے تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر کیس قومی احتساب بیورو کے سپرد کیا جاتا تو کیا یہ ممکن تھا کہ ملزم کو وہی سزا دی جاتی جو اس کو پاکستان آرمی ایکٹ کے تحت دی گئی؟ یہاں اس تجزیہ کو میجر جنرل خالد اختر کے کیس تک محدود کرنا اہم ہے۔ 5۔ اگست 2015 کو آئی ایس پی آر کی جانب سے جاری کردہ پریس ریلیز کے مطابق انہوں نے این ایل سی فراڈ کے ذریعے کچھ ذاتی فوائد حاصل کئے جن کو آرڈیننس قومی احتساب 1999 کی دفعہ 9 کے تحت کرپشن کے مساوی قرار دیا جا سکتا ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہ ایک ناقابل ضمانت جرم ہے اور اگر ثابت ہو جائے تو 14 سال قید ہے۔ تاہم آئی ایس پی آر کی جانب سے جاری کردہ پریس ریلیز کے مطابق میجر جنرل (ریٹائرڈ) خالد ظہیر اختر کو "نوکری سے برخاست" کر دیا گیا جس سے ان کا رینک اعزازی نشان، میڈلز، اعزازات، ایوارڈز، پنشن کا اجراء، ذاتی فوائد کی ریکوری، سروس کے دوران حاصل کردہ فوائد کی منسوخی اور دیگر متعلقہ سہولیات بشمول میڈیکل وغیرہ ضبط کر لی گئیں۔

بلوچستان میں مسلح افواج کی قیادت کو بدعنوانی پر سزائیں

21۔ اپریل 2016 کو منظر عام پر آنے والی خبروں کے مطابق چیف آف آرمی سٹاف نے آرمی کے اعلیٰ رینک کے چھ افسران کے خلاف بدعنوانی کے الزامات ثابت ہونے پر انہیں جبری ریٹائرڈ کر دیا۔ اگرچہ خبر ابتدائی طور پر میڈیا پر افشا کی گئی، آئی ایس پی آر نے اس پر کوئی تبصرہ نہ کیا۔ لیکن چند دنوں بعد ڈی جی، آئی ایس پی آر نے ٹی وی پر ٹاک شو کے دوران خبر کی تصدیق کی۔

پانامہ لیکس کے بعد بدعنوانی اور پورے ملک میں احتساب کا شور میڈیا پر حاوی رہا۔ 19 اپریل 2016 کو چیف آف آرمی سٹاف نے اپنا نقطہ نظر واضح کرنے کے ساتھ اسی برائی سے نمٹنے کیلئے اپنی خدمات بھی پیش کیں۔

قابل بحث سوال ابھی بھی موجود ہے کہ زیادہ شفافیت کی ضرورت ہے جیسا کہ مسلح افواج اپنے رینکس میں بدعنوانی سے نبرد آزما ہوتے ہیں ممکن ہے کہ شفافیت مسلح افواج کا تشخص مزید بڑھائے تاکہ اس کا کوئی دوسرا راستہ ہے۔

نیشنل ایکشن پلان پر عملدرآمد پر اختلافات

نومبر 2015 میں نیشنل ایکشن پلان پر عملدرآمد سے متعلق سول اور فوجی دونوں قیادتوں کی جانب سے بیانات جاری ہوتے رہے۔

10 نومبر 2015 کو آئی ایس پی آر کی جانب سے منتخب حکومت کی گورننس سے متعلق بیان[50] تحفظات کے اظہار کا کوئی اچھا طریقہ نہ تھا۔ اس نے یہ تاثر دیا کہ ممکن ہے کہ ہماری نیشنل سکیورٹی مینجمنٹ میں روابط کے سرکاری ذرائع فنکشنل نہ ہیں اور یہ کہ اداروں میں تعاون اور اتفاق نہ ہے۔

پلڈاٹ اس امر پر بھی یقین رکھتا ہے کہ 11 نومبر 2015 کو وفاقی حکومت کی جانب سے جاری کیا جانے والا جواب الجواب بھی کچھ اچھا نہ تھا۔[51] بیان میں زور دیا گیا کہ نیشنل ایکشن پلان پر عملدرآمد ایک مشترکہ ذمہ داری ہے جس نے یہ تاثر دیا کہ ممکن ہے کہ حکومت دہشت گردی کے خلاف جنگ سے پیچھے ہٹ رہی ہے۔

یہ واقعہ سول ملٹری قیادت ایک ہی صفحہ پر ہونے کے بیان سے چشم کشا ہے جو عام طور پر حکومت اختیار کرتی ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ اہم ہے کہ قیادت کا فقدان اور این اے پی پر عملدرآمد کی غیر یقینی صورتحال، اس پر پیشرفت کو مانیٹر کرنے کیلئے کوئی بھی بیان کردہ ادارہ جاتی نظام موجود نہ ہے۔ خاص طور پر پارلیمنٹ نیشنل ایکشن پلان کے نفاذ سے دور ہے۔ خدشہ ہے کہ یہ حکومت کی جانب سے 2014 میں تشکیل کردہ نیشنل انٹرنل سکیورٹی پالیسی کی طرح پالیسی دستاویز نہ بن جائے جس کی کوئی پیروی نہ کی گئی۔

26۔دسمبر 2014 کو جاری کردہ پریس ریلیز کے مطابق وزیراعظم نے نیشنل ایکشن پلان کے تیز اور موثر نفاذ کیلئے کمیٹی تشکیل دینے کے احکامات جاری کئے۔ کمیٹی وفاقی وزراء برائے داخلہ، دفاع، انفارمیشن اینڈ براڈ کاسٹنگ، پلاننگ اینڈ ڈویلپمنٹ، سٹیٹس اینڈ فرنٹیئر ریجنز اور یوتھ ایڈوائزر برائے امور خارجہ اور نیشنل سکیورٹی پر مشتمل تھی۔

وزیراعظم آفس کی ویب سائٹ پر دستیاب ریکارڈ کے مطابق نیشنل ایکشن پلان کے نفاذ کیلئے وزیراعظم کی زیر قیادت اب تک مختلف اراکین کے ساتھ 17 میٹنگز منعقد کی گئیں۔ تاہم وزیراعظم کی جانب سے 26 دسمبر 2014 کو بنائی جانے والی کمیٹی کی جانب سے حاصل کردہ مقاصد فوری طور پر واضح نہ ہیں۔

پلڈاٹ اس امر پر یقین رکھتا ہے کہ اس ابہام نے مجموعی طور پر نیشنل ایکشن پلان کے نفاذ پر اثر ڈالا ہے جس سے اس مسئلہ پر بہت کم سیر حاصل بحث ہو سکی۔ اگرچہ وزیراعظم آفس نے نیشنل ایکشن پلان کے تحت نفرت انگیز تقاریر کرنے والوں پر کریک ڈاؤن، پورے پاکستان میں کومبنگ آپریشن کے انعقاد، پھانسیوں کی تعداد وغیرہ سے متعلقہ پراگرس رپورٹس جاری کی ہیں تاہم جو کمیٹی انہوں نے تشکیل دی، کی جانب سے نیشنل ایکشن پلان پر عملدرآمد کے بارے میں پراگرس ابھی بھی غیر واضح ہے۔

لاہور حملہ اور اس کے بعد پنجاب آپریشن

27۔مارچ 2016 کو لاہور حملوں کے جواب میں فوج کی قیادت میں پورے پنجاب میں آپریشن کئے گئے جس نے ابہام پیدا کیا اور ممکن ہے کہ منتخب حکومت کی قانون کی بالادستی کیلئے آئینی ضروریات اور متعلق العنانیت پر سمجھوتہ ہوا۔

منتخب حکومت اور فوجی قیادت کی جانب سے لاہور حملوں کے تناظر میں غیر باہمی ردعمل نے نہ صرف ایسے المیوں کے بعد کے حالات سے نمٹنے میں ابہام پیدا کیا بلکہ دہشت گردی کو ختم کرنے کی وجوہات کو بھی متاثر کیا۔ اس نے خطرناک تاثر دیا کہ اہم وقت پر منتخب حکومت جس کے پاس تمام ایگزیکٹو اختیار ہے وہ مکمل طور پر انچارج نہ ہے اور دہشت گردوں کے خلاف آپریشنز منتخب حکومت کی زیر قیادت نہیں کیا جا رہا ہے۔ اس معاملے میں درج ذیل اہم نقطوں کا جائزہ لیا جا سکتا ہے:

ا۔ حملوں کے بعد، ایسا لگا جیسے ملک میں دو نیشنل سکیورٹی نظام ساتھ ساتھ کام کر رہے ہیں۔ 27، 28۔مارچ 2016 کو پاکستان کے وزیراعظم جناب محمد نواز شریف اور چیف آف آرمی سٹاف، جنرل راحیل شریف دونوں نے دو علیحدہ میٹنگز کیں۔ جس اجلاس کی قیادت وزیراعظم نے کی، اس میں کوئی بھی فوجی قیادت موجود نہ تھی اور اسی طرح آرمی چیف کی قیادت کی میٹنگ میں کوئی منتخب نمائندہ موجود نہ تھا۔

۲۔ آپریشن تک لے جانے والے حقائق اور آپریشن کے آغاز سے یہ بات واضح طور پر عیاں تھی کہ پنجاب میں آپریشن منتخب قیادت کی مشاورت سے شروع نہیں کیا گیا ہے اور صرف آرمی چیف کے حکم پر شروع کیا گیا ہے۔ اس معاملے کو مزید تقویت اس وقت ملی جب 27 مارچ 2016 کو

ڈی جی آئی ایس پی آر' لیفٹیننٹ جنرل عاصم سلیم باجوہ نے ٹوئیٹ کیا کہ چیف آف آرمی سٹاف نے متعلقہ (کمانڈرز) اور انٹیلی جنس ایجنسیز کو (آپریشن) شروع کرنے اور جتنا جلد ممکن ہو سکے لاہور خودکش حملہ کرنے والوں سے روابط رکھنے والوں کا پتا چلانے کا حکم دیا ہے۔[52]

۳۔ غیر مشترکہ سوچ کے مزید اشارے اور ممکنہ طور پر یکطرفہ فوجی آپریشن کو اس بات سے بھی تقویت ملتی ہے کہ وفاقی حکومت اور پنجاب کی صوبائی حکومت کے نمائندگان کی جانب سے فوجی آپریشن سے انکار نہیں کیا گیا۔ حتیٰ کہ وزیر اعظم پاکستان' جناب محمد نواز شریف نے 28۔ مارچ 2016 کو قوم سے خطاب کے دوران صرف دہشت گردی کے خلاف جنگ کو اس کے منطقی انجام تک پہنچانے کا ذکر کیا لیکن اس میں پنجاب میں کئے جانے والے آپریشن کا ذکر تک نہ تھا۔ دوسری طرف ڈی جی' آئی ایس پی آر نے واضح طور پر کہا کہ ''پنجاب میں آپریشنز کئے جا رہے ہیں بلکہ پہلے ہی شروع ہو چکے ہیں۔۔۔۔ انٹیلی جنس ایجنسیز کے ساتھ فوجی دستے آپریشن میں حصہ لے رہے ہیں''۔[53] سول ملٹری قیادت کے درمیان صرف ایک چیز مشترک رہی وہ یہ کہ دونوں نے نیشنل ایکشن پلان میں آپریشنز کے متعلق غیر متوازی وضاحت پیش کی۔

۴۔ اگرچہ فوجی قیادت میں ہونے والے آپریشن کا جواز پیش کرنے کے لئے نیشنل ایکشن پلان کا حوالہ دیا گیا' نیشنل ایکشن پلان کا جائزہ ظاہر کرتا ہے کہ پنجاب میں ''عسکریت پسندی کیلئے عدم برداشت کا مظاہرہ کیا جائے گا'' جو کسی بھی طرح پنجاب میں فوج کی جانب سے ازخود آپریشن کرنے کی توثیق نہیں کرتا۔[54]

تاہم' اپریل 2016 میں پنجاب میں آپریشن سے متعلق ظاہری خلا کو پُر کرنے کیلئے بہت سے اقدامات اٹھائے گئے اور آپریشن وزیر اعلیٰ پنجاب' وفاقی وزیر داخلہ' وزیر اعظم اور چیف آف آرمی سٹاف سے سرکاری طور پر مشاورت سے کیا گیا۔ بعد میں 9۔ اپریل 2016 کو پنجاب میں آپریشن کی نگرانی کیلئے مشترکہ آپریشنز کوارڈینیشن کمیٹی تشکیل دی گئی۔ اگرچہ ٹرمز آف ریفرنس' اجلاسوں کا عرصہ اور فورم کی رکنیت غیر واضح ہے' یہ بظاہر پنجاب کے سینئر سول اور ملٹری آفیشلز پر مشتمل ہے۔[55]

آرمی چیف کی مدت ملازمت میں توسیع کا معاملہ

بلاشبہ' جنرل راحیل شریف کا بطور چیف آف آرمی سٹاف آف پاکستان کا عرصہ بے شمار کامیابیوں سے بھرا ہوا ہے جس میں نہ صرف ضرب عضب شامل ہے بلکہ نیشنل ایکشن پلان کے تحت دہشت گردی سے نمٹنے کیلئے اقدامات شامل ہیں۔ آپ کی مثبت اپروچ نہ صرف پاکستان کی اندرونی پالیسی کی تشکیل میں دلچسپی بلکہ ڈپلومیٹک اقدامات سے بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ آئی ایس پی آر کے میڈیا سے موثر روابط اور اپنی کامیابیوں کے حاصل ہونے سے' انہوں نے پاکستان کے عوام میں شہرت کی خاص بلندیوں کو چھوا ہے۔ اس کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ پی ٹی آئی کے چیئرمین عمران خان نے 18۔ اگست 2015 کو اسلام آباد میں پریس کانفرنس کے دوران جنرل راحیل شریف کو پاکستان کی مشہور ترین شخصیت قرار دیا ہے۔[56]

اس شہرت کی وجہ سے نہ صرف میڈیا مبصرین بلکہ سیاسی جماعتیں آرمی چیف کی مدت ملازمت میں توسیع کا کہہ رہی ہیں جو نومبر 2016 میں ختم ہو جائے گی۔اس بات کو نہ صرف پاکستان کے سابق صدر جنرل (ریٹائرڈ) پرویز مشرف نے سپورٹ کیا ہے بلکہ پی ٹی آئی نے بھی سپورٹ کیا ہے۔اسی طرح پاکستان پیپلز پارٹی نے 24۔فروری 2016 کو صوبائی اسمبلی پنجاب میں ایک قرارداد جمع کروائی جس میں وفاقی حکومت سے چیف آف آرمی سٹاف کی مدت ملازمت میں توسیع کا مطالبہ کیا گیا۔

تاہم ان غیر معمولی واقعات کی وجہ سے انٹر سروسز پبلک ریلیشنز کے ڈائریکٹر جنرل عاصم سلیم باجوہ نے 25۔جنوری 2016 کو اپنے ٹویٹر اکاؤنٹ کے ذریعے اعلان کیا کہ آرمی چیف کی ریٹائرمنٹ سے دس ماہ پہلے' چیف آف آرمی سٹاف کی مدت ملازمت میں توسیع کی افواہیں بے بنیاد ہیں۔ٹویٹ میں آرمی چیف کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ''میں مدت ملازمت میں توسیع پر یقین نہیں رکھتا ہوں اور مقررہ تاریخ پر ریٹائر ہو جاؤں گا۔''اس اعلان نے جنرل راحیل شریف کی مدت ملازمت میں توسیع سے متعلق افواہوں کا کافی حد تک خاتمہ کر دیا۔

چیف آف آرمی سٹاف کی مدت ملازمت میں ممکنہ توسیع کا معاملہ پاکستان میں ہمیشہ کافی دلچسپی کا معاملہ رہا ہے۔آئین کے مطابق صدر پاکستان' وزیر اعظم کی ایڈوائس پر چیف آف آرمی سٹاف کا تقرر کرتا ہے۔آرمی چیف کی مدت ملازمت' ریٹائرمنٹ کی عمر سے قطع نظر' تین سال ہے۔ جنرل راحیل شریف نے 29۔نومبر 2013 کو عہدہ سنبھالا اور وہ 28۔نومبر 2016 کو ریٹائر ہوں گے۔ یہ بات بہت اہم ہے کہ پاکستان آرمی ایکٹ 1952 میں آرمی چیف کی مدت ملازمت میں توسیع سے متعلق کوئی بھی دفعہ موجود نہ ہے۔تاہم ماضی میں آرمی چیفس کو توسیع دی جاتی رہی۔سب سے حالیہ مثال' جنرل اشفاق پرویز کیانی کی ہے جنہوں نے ابتدائی طور پر 29۔نومبر 2007 سے 29۔نومبر 2010 تک بطور چیف آف آرمی سٹاف خدمات سرانجام دیں اور وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی کی جانب سے 28۔نومبر 2013 تک تین سالوں کی توسیع دی گئی۔

درحقیقت' فیلڈ مارشل ایوب خان اور جنرل ضیاء الحق (دونوں نے تین سال تک مدت ملازمت میں توسیع حاصل کی) اس کے علاوہ جنرل یحییٰ خان (ایک دفعہ توسیع) اور جنرل ریٹائرڈ پرویز مشرف (دو دفعہ توسیع)' یہ تمام وہ ہیں جو منتخب حکومتوں کا تختہ الٹ کر صدر بنے اور بعد میں اپنی مدت میں خود توسیع کی۔صرف جنرل (ریٹائرڈ) اشفاق پرویز کیانی وہ واحد جنرل تھے جنھوں نے سولین حکومت کے تحت مدت ملازمت میں توسیع پائی۔

چیف آف آرمی سٹاف کے اعلان کے فوری بعد پورے اسلام آباد میں سیاسی پارٹی موو آن پاکستان کی جانب سے بینرز لگا دیے گئے جن پر درج تھا کہ ''خدا کیلئے۔۔۔جانے کی باتیں جانے دو!''

اگرچہ بہت سارے لوگوں نے سوچا کہ آرمی چیف کے مدت ملازمت میں توسیع کے بیان کے ساتھ ہی معاملہ ختم ہو گیا ہے۔تاہم' لیکن معاملہ پھر سامنے آیا جب موو آن پاکستان کی جانب سے پاکستان کے 13 بڑے شہروں میں بینرز لگائے گئے۔لیکن اس وقت بہت زیادہ سخت الفاظ درج تھے جس پر لکھا تھا ''جانے کی باتین ہوئی پرانی۔۔۔خدا کیلئے اب آ جاؤ''۔

پارٹی نے بتایا کہ اس مہم کا مقصد یہ تھا کہ وہ آرمی چیف کو یہ بتائے کہ مارشل لاء لگا نے کے بعد پاکستان میں ٹیکنوکریٹس کی حکومت قائم کی جانی چاہیے اور جنرل راحیل شریف کو خود اس کی نگرانی کرنی چاہیے۔[57]

اس واقعہ نے پورے پاکستان میں طوفان برپا کر دیا جو سیاسی جماعتوں کی نظروں سے بھی اوجھل نہ رہ سکا۔ مثال کے طور پر پیپلز پارٹی کے اعتزاز احسن نے الزام لگایا کہ پی ایم ایل این کی وفاقی حکومت نے یہ تحریک خود چلائی ہے تا کہ عوام کو پیغام دیا جا سکے کہ پانامہ لیکس کے احتجاج کے تناظر میں پاکستان میں جمہوریت کو خطرہ ہے۔ وفاقی وزیر برائے انفارمیشن، سینیٹر پرویز رشید، نے اس کے برعکس کہا کہ جنرل راحیل شریف کی مدت ملازمت میں توسیع کی باتیں کرنے کا مقصد ضرب عضب آپریشن کو نقصان پہنچانا ہے۔ آرمی چیف کے پاس اپنی مدت مکمل کرنے کا ابھی بھی وقت ہے اور یہ مناسب نہ ہے کہ اس معاملے پر ابھی بات کی جائے۔[58] ڈی جی آئی ایس پی آر لیفٹیننٹ جنرل عاصم سلیم باجوہ نے 12۔ جولائی 2016 کو اپنے ٹویٹ میں کہا کہ "پورے ملک میں جہاں بھی چیف آف آرمی سٹاف سے متعلق پوسٹرز لگائے گئے ہیں، ان سے فوج یا متعلقہ ادارے کا کوئی بھی تعلق نہیں ہے"۔[59]

کسی بھی مستحکم نظام میں، کسی سرکاری اہلکار کی نوکری میں توسیع کو قابل غور معاملہ نہیں سمجھا جانا چاہیے چہ جائیکہ یہ عوامی مسئلہ بن جائے۔ یہ پاکستان میں بھی مسئلہ نہیں ہونا چاہیے جہاں جرنلز خود ہی اقتدار پر قابض ہوتے رہے ہیں ماسوا صرف سابق چیف آف آرمی سٹاف جنرل اشفاق پرویز کیانی کے جن کو جولائی 2010 میں پی پی پی کی حکومت نے توسیع دیتے ہوئے ان کی مدت ملازمت 2007 تا 2009 تک بڑھا دی۔ معاملہ اتنا عجیب معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کیوں کہا جاتا ہے جبکہ چیف آف آرمی سٹاف نے خود کہا ہے کہ وہ توسیع پر یقین نہیں رکھتے اور مقررہ مدت پر ریٹائر ہو جائیں گے۔

29۔ نومبر 2016 کو چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی اور آرمی چیف، دونوں کی طے شدہ ریٹائرمنٹ پاکستان کے دفاع کے اعلیٰ اداروں میں اصلاحات لانے کا موقع فراہم کرتی ہے۔ اس مسئلہ پر مختلف تجاویز پر غور کرنے کا یہ بہترین وقت ہے جس میں مسلح افواج کی مشترکہ کمانڈ (چیف آف ڈیفنس سٹاف ماڈل) بھی شامل ہیں۔ اس تصور نے پورے ملک میں مقبولیت حاصل کی ہے اور اس کے بہت سے حمایتی ہیں جن میں سابق چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی، جنرل (ریٹائرڈ) احسان الحق بھی شامل ہیں۔ 2016 میں نہ صرف جنرل (ریٹائرڈ) احسان الحق کی جانب سے تجویز کردہ اصلاحات کو چار سال ہو گئے بلکہ پاکستان ہائر ڈیفنس آرگنائزیشن کو 1976 میں نئی ہیئت پائے ہوئے بھی 40 سال ہو گئے ہیں۔

پلڈاٹ لازمی طور پر اس امر کی وکالت نہیں کرتا کہ چیف آف ڈیفنس سٹاف ماڈل کو اختیار کیا جائے لیکن اس بات کو بڑی حد تک محسوس کرتا ہے کہ ضروری ہے کہ قیادت سنجیدہ انداز سے ان تجاویز پر غور کرے جبکہ اس کا موقع بھی ہے۔ یہ فیصلہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ اسی نظام کو جاری رہنا چاہیے یا محتاط اور بروقت غور و خوض کے بعد اصلاحات لانی چاہئیں۔ اگرچہ موجودہ نظام ڈیفنس منسٹر کی سربراہی میں ڈیفنس کونسل کا اہتمام کرتا ہے، تاہم کونسل گزشتہ کئی سالوں سے غیر فعال ہے۔ باقاعدہ وزیر دفاع کی تعیناتی اور ڈیفنس کونسل کی بحالی پر اولین طور پر غور کیا جانا چاہیے۔

قومی سلامتی کے امور اور قومی سلامتی کمیٹی کی غیر فعالیت کی ادارہ سازی

زیر غور عرصہ نے مزید تصدیق کی کہ نیشنل سیکیورٹی کے معاملات کی ادارہ سازی کی جا رہی تھی جو اصلاح کرنے میں شاندار اقدام ہے لیکن کام قابل عمل نہ ہونے کی وجہ سے پیچیدہ ہے۔

اگست 2013 کو پی ایم ایل۔این کی حکومت نے نیشنل سیکیورٹی کمیٹی کو نوٹیفائی کیا جس کا مستقل سیکرٹریٹ تھا۔ جو بلاشبہ بہت اہم اور ضروری فورم ہے۔ تاہم فورم کا تقریباً غیر فعال ہونا پاکستان میں نیشنل سیکیورٹی مینجمنٹ کی تشکیل میں حکومت کی عدم توجہ کی عکاسی کرتی ہے۔ جون 2015 سے جولائی 2016 تک نیشنل سیکیورٹی کمیٹیوں کے صرف دو اجلاس منعقد ہوئے جو نیشنل سیکیورٹی کے معاملات پر فیصلہ کرنے والی سب سے بڑا ادارہ ہے۔ کمیٹی کے غیر فعال ہونے کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگست 2013 سے کمیٹی کے اب تک 5 اجلاس منعقد ہوئے ہیں۔

یہ ایک مایوس کن حقیقت ہے کہ نیشنل سیکیورٹی کے استعمال پر عدم توجہ' حکومت کا نیشنل سیکیورٹی کے منصوبہ جات اور معاملات کو انسٹی ٹیوشنلائزڈ کرنے میں غیر سنجیدگی کو ظاہر کرتا ہے۔ نہ صرف نیشنل سیکیورٹی کونسل کا غیر فعال ہونا بلکہ وفاقی کابینہ مشترکہ مفادات کونسل اور دیگر فورمز کا حکومت کے ان فورمز کو فوقیت نہ دینے کو ظاہر کرتا ہے۔ جبکہ پی ایم ایل۔این کی حکومت ان اداروں کو ساقط کرنے کیلئے خاص قسم کی پسندیدگی ظاہر کر رہی ہے۔ ظاہری طور پر کم و بیش سیاسی نقشے پر ایک جیسا ہی رجحان ہے جہاں سیاسی جماعتیں پارلیمنٹ میں سیکیورٹی اور دیگر پالیسیوں کی انسٹی ٹیوشنلائزیشن کے بارے میں کوئی سوال یا بحث نہ کرتی ہیں' نہ پالیسی دیتی ہیں اور نہ منتخب حکومتوں کو پارلیمنٹ اور اس کی کمیٹیوں کو موثر طریقے سے اس کے رجحان اور کام کرنے میں مشورہ ہی دیتی ہے۔

نیشنل سیکیورٹی پر ایڈہاک مشاورت کو پراونشل اپیکس کمیٹی کے اجلاس میں بھی دیکھا جا سکتا ہے جو 3۔جنوری 2015 کو سانحہ پشاور کے بعد قائم کی گئی۔ نیشنل سیکیورٹی پر مشاورت کی انسٹی ٹیوشنلائزیشن سے بچنے کی روایتی صورت میں' اپیکس کمیٹی کے قیام کا اعلان صوبائی یا وفاقی حکومتوں کی وزارت اطلاعات' دفاع' داخلہ کی بجائے آئی ایس پی آر نے کیا۔[60]

اپنے قیام سے اپیکس کمیٹیاں نہ صرف سول ملٹری مشاورت کیلئے اہم فورم ہیں بلکہ ظاہری طور پر فیصلوں کیلئے بھی کافی اہم ہیں۔ مثال کے طور پر پاک افغان بارڈر پر سخت بارڈر مینجمنٹ کیلئے فیصلہ بھی 12۔اپریل 2016 کو خیبر پختونخواہ میں ہونے والی اپیکس کمیٹی کے اجلاس میں کیا گیا۔ اسی طرح' سندھ میں امن عامہ سے متعلقہ فیصلے جیسا کہ پولیس میں بھرتیوں کا فیصلہ بھی سندھ کی اپیکس کمیٹی کے اجلاس میں کیا گیا۔

اگرچہ اپیکس کمیٹیاں پاکستان کی نیشنل سیکیورٹی مینجمنٹ میں بہت اہمیت کی حامل ہیں لیکن یہ کافی حیران کن ہے کہ وفاقی اور صوبائی حکومتوں نے ان فورمز کی ساخت' ٹرمز آف ریفرنس' رکنیت' اجلاسوں کے شیڈول وغیرہ کے بارے میں کوئی نوٹیفکیشن جاری نہیں کیا ہے۔

اگرچہ پاکستان میں سول ملٹری تعلقات کی پیچیدگی کو سادہ الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا ہے' تاہم یہ سچ ہے کہ اگر تمام نہیں' تو سول ملٹری کے ایک دوسرے کے امور کو سمجھنے میں فرق کی وجہ سے چار دفعہ فوج آئی اور ماضی اور مستقبل میں سیاست میں فوج کی آمد سے بڑی آسانی سے بچا جا سکتا تھا اور ہے نیز مستقبل میں پاکستان میں نیشنل سیکیورٹی کے معاملات پر موثر ادارہ سازی پر مشاورت ہونی چاہیے جو خارجہ پالیسی پر بھی گہرا اثر ڈالتی ہے۔ کسی بھی مہذب معاشرے میں فوج کی جانب سے منتخب حکومت کی نگرانی کو برداشت نہیں کرنا چاہیے اور یہ شہریوں اور رائے دہندگان کا کام ہے کہ وہ ایسا نہ ہونے دیں۔ لیکن یہ بہت اہم ہے کہ منتخب حکومتوں کو موثر قیادت فراہم کرنی چاہئے اور اچھی پالیسیز بنانے اور ان کے نفاذ کیلئے منظم فورمز کو مشاورت اور فیصلہ سازی کیلئے استعمال کرنا چاہیے۔

شکل 1: یکم جون 2015 سے 31۔جولائی 2016 تک صوبائی اپیکس کمیٹیوں اور صوبائی کابینہ کے اجلاسوں کا موازنہ

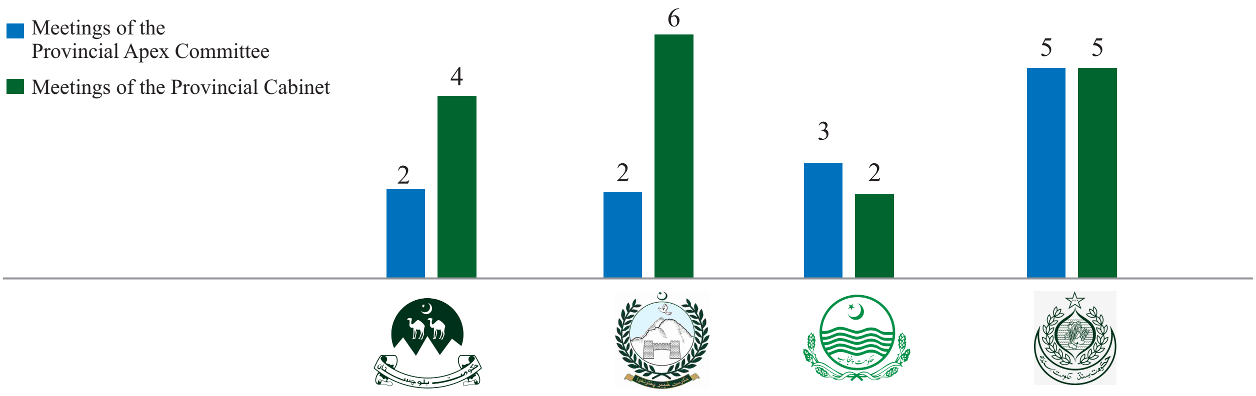

اس کے برخلاف، تمام فنکشنل جمہوریتوں اور اہم سکیورٹی چیلنجز نے سول اور فوجی قیادت کو سکیورٹی کے معاملات پر بحث ومباحثہ میں حصہ لینے میں معاونت کی ہے۔ ان اداروں کی سربراہی منتخب سیاسی نمائندگان کرتے ہیں اور اس کو انتظامی اور ریسرچ انفراسٹرکچر کی معاونت حاصل ہے۔ امریکی نیشنل سکیورٹی کونسل میں صدر اجلاس کی صدارت کرتا ہے اور نیشنل سکیورٹی ایڈوائزر کونسل سٹاف کی صدارت کرتا جن کی تعداد تقریباً 100 ہے۔ بمشکل ہی کوئی ایسا ہفتہ ہو جب این ایس سی کا اجلاس نہ ہوتا ہو۔ برطانوی این ایس سی کا ہر ہفتے اجلاس ہوتا ہے اور وزیر اعظم کابینہ کے اجلاس کی صدارت کرتے ہیں۔

زیر بحث عرصہ کے دوران قومی سلامتی کونسل کے دو اجلاسوں کے لئے حکومت نے کابینہ کی نیشنل سکیورٹی کمیٹی کی فہرست میں تبدیلی کر دی جس سے کئی سوالات نے جنم لیا۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ وفاقی حکومت نے پہلے ہی کمیٹی کی فہرست میں دوبار تبدیلی کی ہے۔ فورم، جس کو ابتدائی طور پر اگست 2013 میں بطور نیشنل سکیورٹی برائے کابینہ کمیٹی کا نام دیا گیا اور اس کا اجراء کیا گیا' کا 11۔اپریل 2014 کو نیا نام نیشنل سکیورٹی کمیٹی رکھ دیا گیا۔ یہ سمجھا گیا کہ اس فورم کا نام اس وجہ سے تبدیل کر دیا گیا ہے کہ کمیٹی کی رکنیت صرف وفاقی کابینہ کے اراکین پر مشتمل نہ ہے۔ یہ صرف کسی شخص کی جانب سے اس فورم یا عام طور پر نیشنل سکیورٹی کے معاملات کو ادارہ جاتی طور پر مضبوط کرنے میں غیر سنجیدگی کو ظاہر کرتا ہے۔ اگر یہ تبدیلی کی عکاسی کرتا ہے تو یہ مساوی طور پر مسئلہ کا باعث ہے اور تکنیکی طور پر اس فورم کا نام کابینہ کمیٹی رکھنا درست نہ ہے۔

فورم کو کابینہ کی کمیٹی کا نام دینا مبہم ہے۔ چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی اور تین دیگر سروسز چیفس قومی سلامتی کمیٹی کے اراکین ہیں، لیکن وفاقی کابینہ کے رکن نہیں ہیں۔ ممکن ہے کہ پریس ریلیز میں دیا گیا نام حکومت کی لاپرواہی یا اس کی بدلتی ہوئی سوچ کا عکاس ہے۔

پلڈاٹ کا ماننا ہے کہ:

ا۔ قومی سلامتی کمیٹی میں سروسز چیفس کی مستقل رکنیت پر دوبارہ غور کرنے کی فوری ضرورت ہے۔ انہیں فورم کے بارے میں مشاورت کی بجائے فیصلہ سازی کا اختیار ہونا چاہیے۔ یہ دونوں خصوصیات صرف پاکستان کی نیشنل سکیورٹی تک محدود ہیں اور پوری دنیا کے نیشنل سکیورٹی کنسلٹیٹو فورمز کیلئے نامناسب ہے۔

شکل 2 : پرائم منسٹر چیف آف آرمی سٹاف کے درمیان ملاقات: جون 31, 2015 تا جولائی 31, 2016

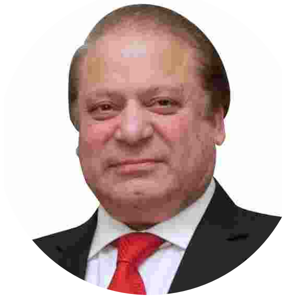

Total
29
meetings

34%
of the these meetings
One-on-one Interactions

Federal Minister of Defence
present in
21%
of these meetings

National Security Advisor
present in
34%
of these meeting

۲۔ علاوہ ازیں کابینہ کی نیشنل سکیورٹی کونسل (جیسا کہ 6۔اپریل 2016 کو اجلاس کے بعد ایوان وزیراعظم کی جانب سے جاری ہونے والی پریس ریلیز میں اس کو قرار دیا گیا) نیشنل سکیورٹی کے معاملات پر فیصلہ سازی کرنے والا بڑا ادارہ ہے۔ اس کا موجودہ سٹیٹس وفاقی کابینہ کے اختیارات کو غصب کر سکتا ہے۔ اگر پاکستان درحقیقت این ایس سی کو فیصلہ سازی کے اختیارات دیتا ہے' خواہ اس بات کی سفارش کی گئی ہے یا نہیں کی گئی ہے' اس کی قانون سازی کے ذریعے حوصلہ افزائی کی جانی چاہیے تاکہ کسی ایگزیکٹو آرڈر کے ذریعے' جیسا کہ اس وقت ہو رہا ہے' اس سے مبرا ہو کر کہ NSC ایک مشاورتی یا فیصلہ سازی کا فورم ہے اور پارلیمنٹ کو اس کو قانونی حیثیت دینے کیلئے اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔

۳۔ این ایس سی کے کم اجلاسوں کی تعداد اس بات کی عکاسی کرتی ہے کہ اس پر بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔ اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ این ایس سی کے اجلاسوں کا باقاعدہ دورانیہ ترتیب دیا جائے۔

(غلط) گمان کا پر تجسس معاملہ

صحیح تناظر کو مکمل طور پر نظرانداز کرنے والے ایک متجسس معاملے میں' صرف اس زیرغور عرصہ کے دوران (یکم جون 2015 تا 31۔جولائی 2016) وزیراعظم نے چیف آف آرمی سٹاف سے 29 بار ملاقاتیں کیں اور اسی عرصہ کے دوران قومی سلامتی کمیٹی کی صرف دو میٹنگز ہوئیں۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ چیف آف آرمی سٹاف اور وزیراعظم کی ملاقاتوں میں سے 10 (یعنی 34 فیصد) ملاقاتیں ون آن ون ہوئیں۔ وفاقی وزیر دفاع خواجہ محمد آصف' ایم این اے ان میٹنگز میں سے صرف 6 میں موجود تھے (یکم جون 2015 تا 31۔جولائی 2016 کے دوران وزیراعظم اور چیف آف آرمی سٹاف کی ملاقاتوں کی تعداد کا 21 فیصد)۔ دوسری طرف قومی سلامتی پر وزیراعظم کے مشیر (22۔اکتوبر 2015 سے پہلے سرتاج عزیز اور اب لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) ناصر خان جنجوعہ) ان میں سے 10 ملاقاتوں میں شریک ہوئے (وزیراعظم اور چیف آف آرمی سٹاف کے مابین ہونے والی ملاقاتوں کا 34 فیصد)۔

یہ بات بھی اہم ہے کہ وزیراعظم کی چیف آف آرمی سٹاف سے میٹنگز کے موازنہ کے طور پر وزیراعظم' جون 2015 سے جولائی 2016 تک چیف آف نیول سٹاف سے کل 7 بار اور چیف آف ائیر سٹاف سے کل 9 بار ملاقات کر چکے ہیں۔

زیر بحث عرصہ میں 22۔اکتوبر 2015 کو بطور نیشنل سکیورٹی ایڈوائزر تقرری کے بعد سے چیف آف آرمی سٹاف اور وزیراعظم کے درمیان 18 میٹنگز منعقد ہوئیں اور لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) ناصر خان جنجوعہ ان میں سے 6 میٹنگز میں شریک ہوئے۔

27 نومبر 2013 کو آرمی چیف کی تقرری کے بعد سے وزیراعظم اور آرمی چیف کی ملاقاتوں کا احوال شکل 1 میں دیا گیا ہے۔

27 نومبر 2013 کو آرمی چیف کی تقرری کے بعد سے 31 جولائی 2016 تک وزیراعظم اور آرمی چیف کی ملاقاتوں کے بنیادی حقائق درج ذیل ہیں:

ا۔ مذکورہ بالا عرصہ میں وزیراعظم اور آرمی چیف نے 94 دفعہ ملاقات کی۔

۲۔ ان میں سے، کم از کم 29 میٹنگز، جو وزیراعظم اور چیف آف آرمی سٹاف کے درمیان کل میٹنگز کا 31 فیصد ہے، ون آن ون رہیں۔

۳۔ وفاقی وزیر دفاع، خواجہ محمد آصف، ایم این اے ان میں سے کم از کم 29 میٹنگز میں شریک ہوئے جو وزیراعظم اور چیف آف آرمی سٹاف کے درمیان کل میٹنگز کا 31 فیصد ہے۔

۴۔ دونوں نیشنل سیکیورٹی ایڈوائزرز، جناب سرتاج عزیز اور لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) ناصر خان جنجوعہ 21 میٹنگز میں موجود تھے، جو وزیراعظم اور چیف آف آرمی سٹاف کے درمیان کل میٹنگز کا 22 فیصد ہے۔

جی ایچ کیو میں غیر معمولی ہجوم

جیسا کہ روزنامہ ڈان نے اسے غیر معمولی ہجوم کے طور پر بیان کیا،[61] 7 جون 2016 کو جی ایچ کیو میں منتخب حکومت کے خاص وزراء نے فوجی قیادت سے ملاقات کی۔ وفاقی وزیر دفاع، خواجہ محمد آصف، ایم این اے؛ وفاقی وزیر خزانہ، سینیٹر اسحاق ڈار؛ وزیراعظم کے مشیر برائے امور خارجہ، جناب سرتاج عزیز؛ وزیراعظم کے امور خارجہ پر معاون خصوصی، جناب طارق فاطمی، سیکرٹری خارجہ، جناب اعزاز احمد چودھری، چیف آف آرمی سٹاف، جنرل راحیل شریف، ڈائریکٹر جنرل، انٹر سروسز انٹیلی جنس، لیفٹیننٹ جنرل رضوان اختر اور ڈائریکٹر جنرل انٹر سروسز پبلک ریلیشنز، لیفٹیننٹ جنرل عاصم سلیم باجوہ نے اس اجلاس میں حصہ لیا۔ اگر آئی ایس پی آر کی پریس ریلیز کے مطابق اس اجلاس میں نیشنل سیکیورٹی سے متعلق معاملات پر بحث ہوئی، تو وفاقی وزیر داخلہ، چودھری نثار علی خان، ایم این اے اور وزیراعظم کے مشیر برائے نیشنل سیکیورٹی، لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) ناصر خان جنجوعہ، کی غیر حاضری نمایاں طور پر محسوس کی گئی۔

میٹنگ کیلئے غیر معمولی جگہ کا انتخاب، سول اور ملٹری قیادت کی جانب سے نیشنل سیکیورٹی کے معاملات سے مشاورت کی انسٹی ٹیوشنلائزیشن کیلئے ایڈہاک اپروچ ظاہر کرتا ہے۔ میٹنگ کا مقصد نیشنل سیکیورٹی سے متعلق معاملات پر بحث کرنا تھی جس کو جی ایچ کیو کی بجائے نیشنل سیکیورٹی کمیٹی کی جانب سے این ایس سی کے

شکل 3: وزیراعظم اور آرمی چیف میں ہونے والی ملاقاتیں: دسمبر 2013--جولائی 2016

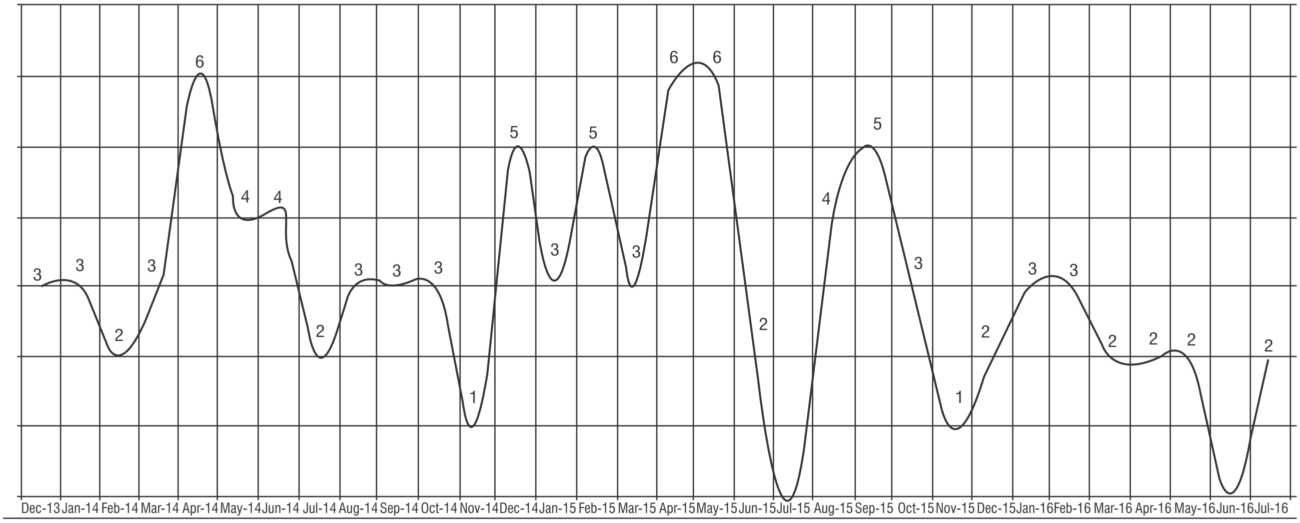

سیکرٹریٹ میں منعقد کیا جانا چاہیے تھا۔ اسی طرح آئی ایس پی آر کی بجائے وفاقی وزارت دفاع یا وفاقی وزارت اطلاعات کی جانب سے میٹنگ کی پریس ریلیز جاری کی جانی چاہیے تھی۔

یہ 13۔اپریل 2016ء کو وزیراعظم کے اپنے طبی علاج کیلئے لندن جانے سے پہلے تک سول ملٹری قیادت کے درمیان اعلیٰ سطح کا پہلا اجلاس تھا۔ ظاہری طور پر آرمی چیف نے ملک کے سکیورٹی کے اندرونی اور بیرونی خیالات پر بحث کیلئے اجلاس بلایا تھا جس میں CPEC بھی شامل ہے جو ریاست کے معاملات پر ایک افسوسناک اشارہ ہے۔ فوج کی اس ابتداء سے' اس بات کو کافی حد تک تقویت ملی کہ عوامی منتخب حکومتیں/سیاستدان قومی معاملات پر اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کیلئے ایک خلا پیدا کرتے ہیں اور فوج کو یہ خلا پُر کرنا پڑتا ہے۔

غیر موزوں جگہ اور فورم کو چننے کے نتائج کی صورت میں یہ تاثر عام ہوا کہ سویلین قیادت جی ایچ کیو کی مرہون منت ہے اور فوجی قیادت کو طلب کر رہی ہے۔ علاوہ ازیں' نشستوں کی ترتیب نے بھی سول ملٹری تعلقات کے بارے میں دلچسپ معلومات فراہم کیں۔ منتخب حکومت کے نمائندگان میں سے وفاقی وزیر خزانہ' سینیٹر اسحاق ڈار کی درمیان میں نشست رکھی گئی تھی۔ ممکن ہے کہ وہ وزیراعظم نواز شریف کی غیر موجودگی میں ظاہری طور پر وزیراعظم کا کردار ادا کر رہے ہوں۔ وفاقی وزیر دفاع' خواجہ محمد آصف' ایم این اے' جو آرمی چیف کے سویلین باس ہیں' کو میز کے آخر پر جگہ دی گئی تھی۔[62]

چیف آف آرمی سٹاف نے جی ایچ کیو میں سول ملٹری اجلاس کے بعد ملک کی اندرونی اور بیرونی سکیورٹی کی صورتحال بشمول CPCE پر چائنہ کے پاکستان میں سفیر Sun Weidong سے تنہا ملاقات کی۔ چیف آف آرمی سٹاف نے اس

سے قبل 16 مئی 2016 کو بیجنگ کا دورہ کیا اور چائنہ کی سیاسی قیادت سے اس وقت ملاقات کی جب افغان چیف ایگزیکٹو آفیسر' جناب عبداللہ عبداللہ چائنہ کے سرکاری دورے پر بیجنگ میں تھے۔

بین الاقوامی اور قومی سطح پر آرمی چیف کی بڑھتی ہوئی مقبولیت

زیرِ غور عرصہ میں آرمی چیف کی قومی اور بین الاقوامی سطح پر مقبولیت میں اضافہ ہوا۔ آپ ایک مسیحا کی طرح منظر عام پر آئے۔ جس کی مقبولیت نہ صرف سیاسی قائدین بلکہ تاجروں کے حلقوں' عارضی طور پر بے گھر افراد وغیرہ کے حلقوں میں بڑھی۔ مثال کے طور پر جناب عمران خان نے جنرل راحیل شریف کو پاکستان کی مشہور ترین شخصیت قرار دیا۔

بین الاقوامی سطح پر' چیف آف آرمی سٹاف نے بین الاقوامی سیاسی قیادت سے ملاقاتیں کیں۔ جیسا کہ جنرل ہیڈکوارٹرز' غیر ملکی معزز اراکین خاص طور پر امریکا' برطانیہ' ایران' افغانستان اور عرب امارات کیلئے ضروری دورہ کی جانے والی جگہ رہی ہے' جون 2014 تا جولائی 2015 کے دوران آرمی چیف نے 17 بین الاقوامی سرکاری دورے کئے جہاں انہوں نے غیر ملکی سیاسی قیادت اور 40 ملکوں کے غیر ملکی سفیروں سے ملاقاتیں کیں۔

چیف آف آرمی سٹاف' پاکستان کی خارجہ پالیسی کا اہم حصہ ہونے کے بارے میں توجہ کا مرکز اس وقت بنے جب وہ جنوری 2016 میں وزیر اعظم کے ہمراہ سعودی عرب اور ایران کے دوروزہ دورے پر گئے۔

زیر بحث عرصہ کے دوران' آرمی چیف سے جی ایچ کیو میں ملاقات کرنے والے غیر ملکی اکابرین کی فہرست جدول 3 میں دی گئی ہے۔

جدول 2: آرمی چیف سے جی ایچ کیو میں ملاقات کرنے والے غیر ملکی اکابرین کی تاریخ وار تفصیل: جون 2015 -- جولائی 2016

نمبر شمار	تاریخ	دورہ کرنے والی شخصیات
1	یکم جون 2015	ڈاکٹر پیٹر لیوائے' سینئر ڈائریکٹر برائے جنوبی ایشیائی معاملات' نیشنل سیکورٹی کونسل' ریاست ہائے متحدہ امریکا
2	14 جولائی 2015	جناب راڈالفوجے مارٹن سراویا' اسلام آباد میں ارجنٹائن کے سفیر اور ڈین برائے ڈپلومیٹک کور
3	یکم اگست 2015	جناب ڈینیئل ایف فیلڈمین' پاکستان اور افغانستان کے لئے ریاست ہائے متحدہ امریکا کے خصوصی نمائندے
4	5 اگست 2015	جناب مائیکل فیلن' وزیر دفاع' برطانیہ
5	10 اگست 2015	محترمہ سبین سپاروییر' پاکستان اور افغانستان کے لئے جرمنی کی خصوصی نمائندہ
6	21 اگست 2015	ایمبیسیڈر فرانز مائیکل میلبن' خصوصی نمائندہ یورپی یونین اور افغانستان کے لئے یورپی یونین وفد کے سربراہ
7	30 اگست 2015	ایمبیسیڈر سوزن رائس' ریاست ہائے متحدہ امریکا کی نیشنل سیکورٹی ایڈوائزر
8	31 اگست 2015	جناب فرینک والٹر سٹینمیئر' وفاقی وزیر خارجہ' جرمنی
9	31 اگست 2015	ڈاکٹر پیٹر لیوائے' سینئر ڈائریکٹر برائے جنوبی ایشیائی معاملات' نیشنل سیکورٹی کونسل' ریاست ہائے متحدہ امریکا اور جناب رچرڈ اولسن' پاکستان میں ریاست ہائے متحدہ امریکا کے سفیر اور جناب پی مائیکل میکنلے' افغانستان میں ریاست ہائے متحدہ امریکا کے سفیر
10	6 اکتوبر 2015	جناب ٹامس کپتا' چیک ریپبلک کے نائب وزیر دفاع
11	4 دسمبر 2015	جناب ڈیوڈ ہیل' پاکستان میں نئے امریکی سفیر

نمبر شمار	تاریخ	دورہ کرنے والی شخصیات
12	4 دسمبر 2015	جناب رچرڈ جی اولسن، پاکستان اور افغانستان کے لئے ریاست ہائے متحدہ امریکا کے خصوصی نمائندے
13	8 دسمبر 2015	جناب اوون جنکنس، افغانستان اور پاکستان کے لئے برطانوی وزیر اعظم کے خصوصی نمائندے
14	9 دسمبر 2015	جناب وانگ یی، پیپلز ریپبلک آف چائنہ کے وزیر خارجہ
15	9 دسمبر 2015	محترمہ ارسلا وان ڈرلیین، جرمنی کی وفاقی وزیر دفاع
16	10 دسمبر 2015	جناب انٹونی جے بلنکن، ریاست ہائے متحدہ امریکا کے نائب وزیر
17	31 دسمبر 2015	جناب محمد بن عبداللہ العائش، سعودی عرب کے معاون وزیر دفاع برائے فوجی امور
18	7 جنوری 2015	جناب عادل بن احمد الجبیر، ''سعودی عرب کے وزیر خارجہ
19	10 جنوری 2015	جناب محمد بن سلمان السعود، سعودی عرب کے نائب ولی عہد اور وزیر دفاع
20	11 جنوری 2015	جناب رچرڈ جی اولسن، پاکستان اور افغانستان کے لئے ریاست ہائے متحدہ امریکا کے خصوصی نمائندے
21	8 مارچ 2015	جناب فلپ ہیمنڈ، برطانوی وزیر خارجہ
22	17 مارچ 2015	جناب فرانز مائیکل میلبن، خصوصی نمائندہ یورپی یونین اور افغانستان کے لئے یورپی یونین وفد کے سربراہ
23	21 مارچ 2015	جناب راڈالفو جے مارٹن سراویا، اسلام آباد میں ارجنٹائن کے سفیر
24	24 مارچ 2015	محترمہ آئنہ لیپال، پاکستان میں جرمنی کی سفیر
25	25 مارچ 2015	جناب لوئی گاٹیئر، فرانس کے سیکرٹری جنرل برائے دفاع اور قومی سلامتی
26	5 اپریل 2015	جناب ژینگ چوزینئ، چین کی کمیونسٹ پارٹی کے پولیٹیکل بیورو کے رکن
27	11 اپریل 2015	جناب رچرڈ جی اولسن، پاکستان اور افغانستان کے لئے ریاست ہائے متحدہ امریکا کے خصوصی نمائندے
28	21 اپریل 2015	جناب پاؤلو جنٹِلونی، اٹلی کے وزیر خارجہ
29	13 مئی 2015	جناب عمر زاخیوال، پاکستان میں افغانستان کے سفیر
30	19 مئی 2015	جناب رچرڈ جی اولسن، پاکستان اور افغانستان کے لئے ریاست ہائے متحدہ امریکا کے خصوصی نمائندے
31	25 مئی 2015	جناب ڈیوڈ ہیل، پاکستان میں امریکی سفیر
32	3 جون 2015	جناب فکری آئسک، ترکی کے وزیر قومی دفاع
33	7 جون 2015	جناب سن ویڈانگ، پاکستان میں چینی سفیر
34	10 جون 2015	جناب رچرڈ جی اولسن، پاکستان اور افغانستان کے لئے ریاست ہائے متحدہ امریکا کے خصوصی نمائندے
35	24 جون 2015	جناب تھامس ڈریؤ پاکستان میں برطانوی ہائی کمشنر
36	2 جولائی 2015	امریکی کانگریس کے وفد سے ملاقات جس میں یہ افراد شامل تھے: ا۔سینیٹر جان مکین، چیئرمین امریکی آرمڈ سروسز کمیٹی؛ ۲۔سینیٹر لنڈسے گراہم اور ۳۔سینیٹر جو ڈانیلی
37	2 جولائی 2015	جناب رچرڈ جی اولسن، پاکستان اور افغانستان کے لئے ریاست ہائے متحدہ امریکا کے خصوصی نمائندے

آرمی چیف کی جانب سے جون 2015 سے جولائی 2016 کے دوران کئے گئے 'کیں' کی تفصیل جدول 4 میں دی گئی ہے۔
ان غیر ملکی دوروں، جن میں انہوں نے غیر ملکی سیاسی قیادت کے ساتھ ملاقاتیں

جدول 3 : چیف آف آرمی سٹاف' کے غیر ملکی دورے: جون 2015 تا جولائی 2016

نمبر شمار	تاریخ	دورے کی تفصیلات
1	8-10 جون 2015	سری لنکا کا تین روزہ دورہ جس دوران انہوں نے جن سے ملاقات کی: ا۔ سری لنکن صدر، جناب میتھر یپالا سریسینا ۲۔ سری لنکن وزیر اعظم، جناب رانیل وکرما سنگھے ۳۔ سری لنکن وزیر مملکت برائے دفاع، جناب ڈیننڈ راروون وجے وردنے ۴۔ سری لنکن وزیر دفاع، جناب پی ایم یو ڈی بسنائیکے ۵۔ سری لنکن مسلح افواج کے چیف آف ڈیفنس فورسز، جنرل جے سوریا ۶۔ سری لنکن ایئر فورس کے کمانڈر، ایئر مارشل کے اے گناٹیلک
2	27-29 جولائی 2016	آرمی چیف کا اٹلی کا تین روزہ دورہ جس میں انہوں نے اٹلی کے وزیر خارجہ، جناب پاؤلو جنٹلونی سے ملاقات کی
3	30 ستمبر تا 2 اکتوبر 2015	آرمی چیف کا برطانیہ کا تین روزہ دورہ جس میں انہوں نے ان شخصیات سے ملاقات کی: ا۔ چیف آف ڈیفنس سٹاف، برطانوی آرمڈ فورسز، سر نکولس رینالڈز ہاؤٹن ۲۔ اس وقت کی برطانوی وزیر داخلہ اور موجودہ وزیر اعظم، مس تھریسا مے
4	12-14 اکتوبر 2015	آرمی چیف کا ترکی کا تین روزہ دورہ جس میں انہوں نے ان شخصیات سے ملاقات کی: ا۔ ٹرکش لینڈ فورسز کے کمانڈر، جنرل صالح زکی کولاک ۲۔ انقرہ میونسپلٹی کے میئر جناب مصطفےٰ اک ۳۔ ترکی کے وزیر دفاع، جناب ویکدی گونل ۴۔ ترکی کے وزیر خارجہ امور جناب فریدوں سنر لا ئیولو ۵۔ وزیر اعظم ترکی، جناب احمت داوو توگلو ۶۔ ترکی کے صدر، جناب ریسپ اردگان
5	4-5 نومبر 2015	آرمی چیف کا دو روزہ دورہ سعودی عرب جس میں انہوں نے ان شخصیات سے ملاقات کی: ا۔ سعودی عرب کے فرمانروا، خادم حرمین شریفین، عزت مآب سلمان بن عبدالعزیز السعود ۲۔ ولی عہد، عزت مآب جناب محمد بن نائف عبدالعزیز السعود
6	16-21 نومبر 2015	پانچ روزہ دورہ امریکا جس میں انہوں نے ان شخصیات سے ملاقات کی: ا۔ امریکی وزیر جناب جان کیری ۲۔ امریکی نائب صدر، جناب جو بائیڈن
7	27 دسمبر 2015	آرمی چیف کا دورہ افغانستان جس میں انہوں نے افغانستان کے صدر، جناب اشرف غنی اور چیف ایگزیکٹو آفیسر، ڈاکٹر عبداللہ عبداللہ سے کابل میں ملاقات کی

نمبر شمار	تاریخ	دورے کی تفصیلات
8	19 جنوری 2016	اپنے ایک روزہ دورہ ایران میں آرمی چیف نے ایرانی وزیر دفاع، جناب حسین دیہگن اور سپریم نیشنل سیکیورٹی کونسل، جناب علی شامخانی سے ملاقات کی
9	22 فروری 2016	اپنے ایک روزہ دورہ قطر میں انہوں نے امیر قطر، عزت مآب شیخ تمیم بن حماد الثانی سے ملاقات کی
10	یکم مارچ 2016	اپنے ایک روزہ دورہ تاجکستان میں انہوں نے تاجکستان کے صدر، جناب ایمولی راھمون
11	26 اپریل 2016	اپنے ایک روزہ دورہ اردن میں انہوں نے اردن کے بادشاہ، عزت مآب شاہ عبداللہ دوم
12	20-21 جون 2016	اپنے دو روزہ دورہ جرمنی میں انہوں نے ان شخصیات سے ملاقات کی: ا۔ جرمن وزیر خارجہ، جناب فرینک والٹر سٹینمیئر ۲۔ جرمن وزیر دفاع، محترمہ ارسلا وان ڈر لیئن
13	25-26 جون 2016	اپنے دو روزہ دورہ مصر میں انہوں نے ان شخصیات سے ملاقات کی: ا۔ مصری صدر، جناب فتح السیسی ۲۔ مصری وزیر دفاع، جناب سید کی سوبھی

متعدد بار یہ بھی دیکھا گیا کہ چیف آف آرمی سٹاف، سویلین حکومت کے کسی رکن کے بغیر افغانستان کے ساتھ مذاکرات کرنے جاتے رہے۔ سینیٹ کے اجلاس کے دوران 27۔دسمبر 2015 کو چیف آف آرمی سٹاف کے افغانستان کے دورے کے بعد، وفاقی وزیر دفاع، خواجہ محمد آصف، ایم این اے نے بیان دیا کہ وہ ایوان کو فوری طور پر دورے کے بارے میں آگاہ نہیں کر سکتے اور اس معاملے پر اپنی وزارت سے مشاورت کریں گے۔ حکومت نے ابھی تک اس دورے کے بارے میں اپنا موقف واضح نہ کیا ہے۔

جب یہ پتہ چلا کہ وفاقی وزیر داخلہ، چودھری نثار علی خان، ایم این اے نے وزیر اعظم کو خط لکھا جس میں انہوں نے حوالگی کے حوالے سے ان کی وزارت کو اعتماد میں نہ لینے کے بارے میں اپنے تحفظات سے آگاہ کیا۔ روزنامہ ایکسپریس ٹریبیون کی جانب سے رپورٹ میں اس خط کی مثال دی گئی جس میں ظاہری طور پر لکھا تھا کہ ''ایسے اہم فیصلے لینے سے پہلے واضح قوانین موجود ہیں، جن کی پیروی کرنی چاہیے۔ حکومت اپنے مادر وطن کے ہر ایک انچ کی محافظ ہے۔ ہمیں ایسے فیصلے کرنے کے لئے قانونی طریقہ کار کی پیروی کرنی چاہیے''۔[63]

پاکستان افغانستان بارڈر پر حالیہ بارڈر مینجمنٹ اقدامات کو بھی زیر غور لایا جانا چاہیے۔ یہ آئی ایس پی آر ہی تھا جس نے 21۔مئی 2016 کو انگور اڈا اپر نئی بارڈر کراسنگ کی حوالگی کی خبر کے اعلان میں پہل کی۔ جیسے ہی طورخم بارڈر کراسنگ کے بند ہونے پر تناؤ بڑھا، یہ چیف آف آرمی سٹاف تھے جنہوں نے پاکستان میں افغانستان کے سفیر جناب عمر زاخیوال سے جی ایچ کیو میں اس مسئلہ پر ملاقات کی۔

قدرتی نتائج کے طور پر، انگور اڈا کے قیام پر پیچیدگیاں پیدا ہونا شروع ہو گئیں۔

پاک افغان بارڈر پر سخت اور موثر بارڈر مینجمنٹ کا نظام غیر محفوظ اور نازک بارڈر پر بہت زیادہ ضروری ہے۔ بارڈر مینجمنٹ پر کئے جانے والے مثبت اقدامات سے معلوم ہوتا ہے کہ سول/سول اور سول ملٹری کے درمیان انگور اڈا کی کراسنگ افغان اتھارٹیز کو حوالے کرنے کے بارے میں فوج اور سول حکومت کے درمیان کوئی بھی مشاورت نہ ہوئی۔ تاہم پاکستان میں افغانستان کے ساتھ بارڈر کو محفوظ بنانے کیلئے اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔ انگور اڈا بارڈر کراسنگ کی منتقلی کے مسئلے کو اہمیت دی جانی چاہیے اور سیر حاصل بحث پر مبنی پالیسی کی ضرورت تھی۔ یقیناً حکومت بشمول وزارت داخلہ کے سٹیک ہولڈرز سے بحث کی جانی چاہیے تھی اور فیصلہ ملک

کے چیف ایگزیکٹو کی منظوری سے کیا جانا چاہیے تھا۔ اس مسئلہ پر گہری سوچ بچار کرنی چاہیے تھی اور پارلیمنٹ کی داخلی اور دفاعی سٹینڈنگ کمیٹیوں کو اس کے بارے میں پارلیمانی طریقے سے عمیق جائزہ لینا چاہیے تھا۔

زیر بحث عرصہ میں چیف آف آرمی سٹاف کی بطور قومی لیڈر تعریف نہ صرف ملکی میڈیا یاحتیٰ کہ سیاسی قائدین نے بھی کی۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جنرل راحیل شریف نے بطور آرمی چیف بے شمار سارے اعزازات حاصل کئے جن میں ان کی پہچان میں سب سے زیادہ اہم ان کی متحرک سوچ اور اقدامات ہیں۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ موجودہ فوجی قیادت ملک میں دہشت گردی کے خلاف کریک ڈاؤن کر رہی ہے۔ فروری 2015 سے آپریشن ضرب عضب کا انعقاد اور کراچی آپریشن میں تیزی لانا شامل ہے۔

پوری دنیا میں افواج اور فوجی کمانڈروں کو عوامی سطح پر سراہا جاتا ہے اور ان کو عزت دی جاتی ہے۔ پاکستان کی آرمڈ فورسز کے معاملے میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ تاہم جنرل راحیل شریف جو چیف آف آرمی سٹاف کے اہم عہدہ پر فائز ہیں، اگر انہیں کہا جائے کہ وہ اپنا وقت اور کوششیں پیشہ ورانہ کردار اور ذمہ داریوں سے ہٹ کر ادا کریں تو یہ نہ صرف فوج بلکہ آئین پاکستان کے تحت ملک سے زیادتی ہو گی۔ ہماری مسلح افواج کو اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کی انجام دہی کیلئے عوام کا مکمل اعتماد اور سپورٹ حاصل ہونی چاہیے۔ فوجی کمانڈروں کا منتخب سیاسی لیڈروں سے موازنہ کرنا یا مسلح افواج کا اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کو کم کرنے کی توقع کرنا غلط ہو گا۔

جنرل (ریٹائرڈ) پرویز مشرف کے خلاف بغاوت کا مقدمہ

جنرل (ریٹائرڈ) پرویز مشرف کے خلاف بغاوت کا مقدمہ ختم ہوتا ہوا نظر نہیں آتا بلکہ جون 2015 سے جولائی 2016 کے دوران اس میں مزید پیچیدگیاں آگئیں۔

وفاقی حکومت نے جنرل (ریٹائرڈ) پرویز مشرف کے خلاف نومبر 2007 میں آئین کی خلاف کرتے ہوئے ایمرجنسی کا نفاذ کرنے کے خلاف بغاوت کا مقدمہ چلانے کا فیصلہ کیا اور بعد میں 31 مئی 2014 کو گرفتاری بھی عمل میں آئی اور اس کو پاکستان کے سول ملٹری تعلقات میں اہم موڑ گردانا گیا، جیسا کہ مابعد پیش رفت ظاہر کرتی ہیں کہ یہ مقدمہ سول ملٹری تعلقات میں کشمکش کی وجہ بنا۔ سابق صدر نے 2 جنوری 2014 کو مسلح افواج کے انسٹیٹیوٹ آف کارڈیالوجی میں جانا

(ظاہری طور پر صحت کی خراب صورتحال کی وجہ سے) اور وہاں ان کے لمبے قیام نے یہ تاثر دیا کہ فوجی قیادت ان کو قانونی کارروائی سے بچانے کیلئے تحفظ فراہم کر رہی ہے۔

21 نومبر 2014 کو خصوصی عدالت نے جناب زاہد حامد، جناب شوکت عزیز اور جسٹس (ریٹائرڈ) عبدالحمید ڈوگر کو غداری کے مقدمے میں شامل کرنے کا حکم جاری کیا۔ ان تینوں افراد نے فیصلے کے خلاف اسلام آباد ہائی کورٹ میں اپیل کی جس نے خصوصی عدالت کے فیصلے کے معاملے کے حل تک اس کے خلاف حکم امتناع جاری کر دیا۔

اگرچہ حکومت ابتدائی طور پر کیس از سر نو تفتیش پر کشمکش کا شکار تھی، لیکن بعد میں اس نے غداری کے مقدمے کی تفتیش کو تین مبینہ معاون ملزمان تک پھیلانے کیلئے رضامندی ظاہر کر دی۔ اسلام آباد ہائی کورٹ کی جانب سے 10 نومبر 2015 کو جاری کئے جانے والے تفصیلی فیصلے میں بنچ نے وفاقی حکومت کو کیس کی دوبارہ تفتیش کا حکم دیا تاکہ 3۔نومبر 2007 کی ایمرجنسی نافذ کرنے میں جنرل (ریٹائرڈ) پرویز مشرف کی مدد کرنے والے اور معاون جرم کے کردار کا تعین کیا جا سکے۔

اس کیس میں ایک اور رکاوٹ اس وقت آئی جب خصوصی عدالت کے سربراہ اور سندھ ہائی کورٹ کے جج جناب جسٹس فیصل عرب ترقی پا کر سپریم کورٹ کے جج بن گئے۔ حکومت نے بعد میں سپریم کورٹ سے نامزدگی وصول کرنے کے بعد پشاور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مظہر عالم میاں خیل کو خصوصی عدالت کا سربراہ مقرر کر دیا۔ خصوصی عدالت نے 8 مارچ 2016 کو جنرل (ریٹائرڈ) پرویز مشرف کو خصوصی عدالت کے سامنے بیان ریکارڈ کروانے کی ہدایات جاری کیں لیکن ان کے وکیل نے عدالت کو آگاہ کیا کہ وہ خراب میڈیکل وجوہات کی وجہ سے کارروائی میں حصہ نہیں لے سکتے۔

اسی اثناء میں جنرل (ریٹائرڈ) پرویز مشرف نے سپریم کورٹ سے علاج کیلئے بیرون ملک جانے کی درخواست کی۔ سپریم کورٹ نے 17 مارچ 2016 کو سندھ ہائی کورٹ کے ان کے بیرون ملک سفر سے پابندی ہٹانے کے 12 جون 2014 کے فیصلے کی توثیق کر دی جس میں اس نے ان کا نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ سے نکالنے کا حکم دیا تھا۔ تاہم سپریم کورٹ نے کہا کہ اگر حکومت موزوں سمجھے تو ان کا نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں رکھ سکتی ہے۔ بعد میں وفاقی حکومت نے سابق صدر کو اس شرط پر بیرون ملک سفر کرنے کی اجازت دے دی کہ وہ صحتیابی کے بعد اپنے خلاف کارروائی کا سامنا کریں گے۔

تاہم، ایسا دکھائی نہیں دیتا کیونکہ وہ خصوصی عدالت کے سامنے دو پیشیوں میں حاضر نہیں ہوئے اور انہیں اشتہاری ملزم قرار دے دیا گیا۔

پاکستان عدالتی نظام میں اصلاح کیلئے کوئی مثبت پیش رفت نہیں ہوئی: پاکستان میں فوجی عدالتیں

انصاف کے دوہرے نظام کی تخلیق کو مدنظر رکھا جائے تو فوجی عدالتوں کا قیام نہ صرف پاکستان کے سول عدالتی نظام بلکہ ابھرتی ہوئی جمہوریت میں بھی منفی رجحان کو ظاہر کرتا ہے۔

9۔جنوری 2015 کو اکیسویں ترمیم کے تحت بنائی جانے والی فوجی عدالتوں نے 101 لوگوں کو سزا دی جن میں سے جولائی 2016 تک 97 کو سزائے موت دی گئی۔ اس حوالے سے ابھی تک کوئی بریت نہیں ہوئی ہے۔ کم از کم 37 مجرموں نے زبردستی اعتراف جرم کرانے اور وکیل تک رسائی نہ دیئے جانے کے حوالے سے سول عدالتوں میں اپیلیں کیں۔[64] جو 12 مقدمے سپریم کورٹ میں لائے گئے اس پر عدالت نے اپنا فیصلہ محفوظ کر لیا ہے۔

پلڈاٹ کا ماننا ہے کہ اگرچہ غیر معمولی حالات، غیر معمولی کارروائی کا تقاضا کرتے ہیں، تاہم اس کے باوجود خصوصی عدالتوں کا قیام اصولی طور پر پاکستان کی نوخیز جمہوریت کیلئے ایک منفی پیش رفت ہے۔ اس نے عدلیہ اور ایگزیکٹو کے درمیان فرق کو دھندلا دیا ہے جس سے آئین میں بیان کردہ اختیارات تین حصوں میں

تقسیم ہو گئے ہیں۔ ان کے قیام نے سول اور ملٹری قیادت کی دہشت گردی سے نمٹنے کی صلاحیت کیلئے بنیادی سوالات اور تحفظات اٹھائے ہیں۔ 21 ویں ترمیم میں اس کے خاتمے کی مدت دو سال رکھی گئی ہے، تاہم پاکستان کے عدالتی نظام میں اصلاحات کیلئے ابھی تک کوئی بھی اہم اقدامات نہ اٹھائے گئے ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ فوجی عدالتیں غیر معمولی حالات کے ردعمل میں عارضی طور پر قائم کی گئی ہیں اور ان کو طویل عرصہ تک برقرار نہ رکھا جائے گا۔

پاکستان میں سول ملٹری تعلقات بہتر بنانے کیلئے سفارشات

پلڈاٹ کا ماننا ہے کہ ذیل میں دی گئی سفارشات کو پاکستان میں سول ملٹری تعلقات میں بہتری لانے کے لئے زیرِغور لایا جاسکتا ہے:

۱۔ پارلیمنٹ کو نیشنل سیکیورٹی کمیٹی کے کام کو منضبط کرنا چاہیے۔ اس میں درج ذیل سفارشات شامل ہیں:

۱) ترقی یافتہ جمہوریتوں کی قومی سلامتی کمیٹی کے کم از کم ہفتہ وار اجلاسوں کا انعقاد۔ مثال کے طور پر برطانیہ کا وزیرِاعظم ہر ہفتہ کابینہ کے اجلاس سے قبل نیشنل سیکیورٹی کونسل کا اجلاس طلب کرتا ہے۔ پاکستان کو سیکیورٹی سے متعلق بہت سے چیلنجز درپیش ہیں لہٰذا قومی سلامتی کمیٹی کے باقاعدہ اجلاس نہایت ضروری ہیں۔

۲) قومی سلامتی کمیٹی کے فیصلہ سازی کے اختیارات پر ازسرنوغور کرنا تاکہ یہ وفاقی کابینہ کے اختیارات سے متصادم نہ ہو جو آئین کے تحت حتمی فیصلہ ساز فورم ہے۔

۳) قومی سلامتی کمیٹی میں چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی اور سروسز چیفس کی مستقل رکنیت پر ازسرنوغور۔ اگر ان کی مستقل رکنیت بحال رکھی جاتی ہے تو کمیٹی کو کابینہ کی نیشنل سیکیورٹی قرار نہیں دیا جانا چاہیے جیسا کہ اس کو 5۔ اپریل 2016 کے اجلاس کے بعد وزیرِاعظم کے آفس کی جانب سے قرار دیا گیا۔

۲۔ نیشنل سیکیورٹی ڈویژن جو کہ قومی سلامتی کمیٹی کا سیکریٹریٹ بھی ہے، کا ایک اہم کام قومی سلامتی پالیسی بنانا تھا پچھلے تین سال میں اس کام پہ کوئی پیش رفت نظر نہیں آتی، قومی سلامتی کمیٹی کو جلد از جلد ایک جامع قومی سلامتی پالیسی کا اعلان کرنا چاہیے۔

۳۔ پارلیمنٹ کی متعلقہ قائمہ کمیٹیوں کو قومی ایکشن پلان کے نفاذ کی وقفے وقفے سے نظرثانی کرنی چاہیے۔

۴۔ وزیرِدفاع کی سربراہی میں ڈیفنس کونسل کی ازسرنو بحالی، ڈیفنس کونسل کا مہینے میں کم از کم ایک اجلاس ہو یا جوائنٹ سروس چیفس کمیٹی کی طرح اجلاس منعقد کرنا چاہیے۔

۵۔ صوبائی اپیکس کمیٹیوں کی رکنیت، کردار اور فرائض سے متعلق نوٹیفکیشن جاری کرنا۔ ہر صوبے کی امن وامان کی اپنی صورتحال ہے لہٰذا، کردار، فرائض وغیرہ ایک صوبہ کے دوسرے سے مختلف ہو سکتے ہیں۔

۶۔ مستقل وزیرِخارجہ اور وزیرِدفاع کا تقرر۔

۷۔ حالیہ دور میں ایک مختلف رائے یہ دی گئی کہ ممکن ہے کہ نیشنل سیکیورٹی پر پارلیمانی کمیٹی بحال کر دی جائے جو پی پی پی کے گزشتہ دور میں سینیٹر رضا ربانی کے زیرِصدارت وجود میں آئی تھی۔ پلڈاٹ کے خیال میں یہ ایک عارضی اقدام ہے کیونکہ داخلہ اور دفاع پر قومی اسمبلی اور پاکستان سینیٹ میں پہلے ہی سٹینڈنگ کمیٹیاں کام کر رہی ہیں۔ ایک اور کمیٹی کا قیام نہ صرف غیر ضروری بلکہ سرکاری وسائل پر غیر ضروری بوجھ بھی ہے۔ اس کے برعکس دفاع اور داخلہ کی سٹینڈنگ کمیٹیوں کو نیشنل سیکیورٹی کے معاملات کے جائزہ کیلئے اور خاص طور پر نیشنل ایکشن پلان وغیرہ کو موثر بنانے کیلئے اقدامات اٹھانے چاہئیں۔ یہ کمیٹیاں اس مقصد کیلئے مشترکہ اجلاس بھی طلب کر سکتی ہیں۔

۸۔ اکیسویں آئینی ترمیم کی مدت 6 جنوری 2017 کو ختم ہو رہی ہے لہٰذا، وفاقی حکومت کو چاہیے کہ وہ ہماری سیکیورٹی کی

ضروریات کی روشنی میں پاکستان میں قانون کی حکمرانی کیلئے ڈھانچہ میں بہتری کیلئے جامع منصوبہ پیش کرے۔ اس کے برعکس اس کو غیر موثر قوانین پر قانون سازی نہیں کرنی چاہیے جیسا کہ قانون تحفظ پاکستان، قانون اینٹی ٹیررزم اور اکیسویں آئینی ترمیم میں دیکھا گیا جس کی مدت وقت کے ساتھ ختم ہو جائے گی۔ ایک مکمل جامع قانون سازی کی جانی چاہیے جو نہ صرف ہمارے عدلیہ کے نظام میں خامیوں پر روشنی ڈالے بلکہ ہماری پراسیکیوشن کے نظام کو مزید مضبوط کرے۔

۹۔ مشترکہ مفادات کونسل کے باقاعدہ اجلاس منعقد ہونے چاہئیں جیسا کہ آئین میں تصریح کی گئی ہے۔

۱۰۔ پولیس آرڈر 2002 کے تحت صوبائی پولیس فورسز کو موثر آزادانہ کردار ادا کرنا چاہیے۔

۱۱۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ سول ملٹری تناؤ کی صورت میں عوام میں جا کر ردعمل کا اظہار کیا جاتا ہے حالانکہ اس پر سرکاری فورم پر بحث کی جانی چاہیے۔ یہ تناؤ میں مزید اضافہ کرتا ہے اور اس سے بچا جانا چاہیے۔

۱۲۔ چیف آف جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی اور چیف آف آرمی سٹاف دونوں کی نومبر 2016 میں شیڈولڈ ریٹائرمنٹ پاکستان کے اعلیٰ دفاعی ادارے میں اصلاحات پر بحث وتمحیص کیلئے ایک مثالی موقعہ ہے۔ اس سلسلے میں مختلف تجاویز پر بحث کرنے کا ایک شاندار وقت ہے جیسے مسلح افواج کی یکساں کمانڈ (یعنی کہ چیف آف ڈیفنس سٹاف ماڈل)۔ اس نے پوری دنیا میں اہمیت حاصل کر لی ہے اور بہت سے حامی پیدا کر لئے ہیں جن میں سابق چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی، جنرل (ریٹائرڈ) احسان الحق شامل ہیں۔ 2016، پاکستان کے اعلیٰ دفاعی ادارے کا 40 سالہ تقریب منانے کا سال ہے جس کو 1976 میں یہ شکل دی گئی تھی۔ پلڈاٹ لازمی طور پر اس امر کی وکالت نہیں کرتا کہ چیف آف ڈیفنس سٹاف ماڈل کو اختیار کیا جائے لیکن اس بات کو بڑی حد تک محسوس کرتا ہے کہ ضروری ہے کہ قیادت سنجیدہ انداز سے ان تجاویز پر غور کرے جبکہ اس کا موقع بھی ہے۔ یہ فیصلہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ اسی نظام کو جاری رہنا چاہیے یا محتاط اور بروقت غوروخوض کے بعد اصلاحات لانی چاہئیں۔

حوالہ جات

حوالہ جات

1۔ آئی ایس پی آر نے 9 جنوری 2015 کو ایپکس کمیٹیوں کی تشکیل کے بارے میں ایک پریس ریلیز جاری کی جو اس ویب پتے پر دستیاب ہے:
https://www.ispr.gov.pk/front/main.asp?o=t-press_release&date=2015/1/3

2۔ حلف لینے کے تین ماہ سے زائد عرصہ بعد، پی ایم ایل۔این کی حکومت نے کیبنٹ کی ڈیفنس کمیٹی (ڈی سی سی) کی میٹنگ منعقد کی اور 22۔اگست 2013 کو ڈی سی سی کو از سر نو تشکیل دے کر نیشنل سیکیورٹی کی کیبنٹ کمیٹی بنانے کا فیصلہ کیا (وزیر اعظم کے حلف اٹھانے کے 78 دنوں بعد)۔ کیبنٹ کمیٹی برائے قومی سلامتی نے ڈی سی سی کی از سر نو تشکیل کے بعد 2 بار میٹنگ کی (22۔اگست 2013 اور 17۔دسمبر 2014)۔

کیبنٹ کمیٹی برائے قومی سلامتی کے ابتدائی سٹرکچر کا اعلان کیا گیا جس میں وزیر اعظم کی زیر صدارت سروسز چیفس بطور کل وقتی اراکین اور اس میں وزراء امور خارجہ، دفاع، داخلہ و خزانہ شامل کیے گئے۔ اس تشکیل پر تبصرہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ اور بھی زیادہ مناسب ہوتا اگر ادارے کو از سر نو نام بطور نیشنل سیکیورٹی کونسل یا نیشنل سیکیورٹی کمیشن دیا جاتا کیونکہ کیبنٹ کمیٹی کی مستقل رکنیت صرف کیبنٹ سے ہوتی ہے۔ پلڈاٹ نے اپنے تجزیے میں بھی تبصرہ کیا تھا کہ ایک دوسرا متبادل یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تینوں سروسز چیفس اور چیئرمین جوائنٹ چیف آف سٹاف کمیٹی کو نیشنل سیکیورٹی کی کیبنٹ کمیٹی کے باقاعدہ اراکین بنانے کی بجائے خصوصی دعوت پر کیبنٹ کمیٹی برائے قومی سلامتی میں مدعو کرتے رہنا چاہیے۔

شاید مذکورہ بالا پیچیدگی کو مدنظر رکھتے ہوئے 11۔اپریل 2015 کو نیشنل سیکیورٹی ڈویژن (نیشنل سیکیورٹی کمیٹی کا سیکرٹریٹ) کیبنٹ ڈویژن کی جانب سے جاری کردہ ایک نوٹیفکیشن میں ایک بار پھر نیشنل سیکیورٹی کمیٹی کے طور پر از سر نو نام دیا گیا۔ نوٹیفکیشن میں بیان کیا گیا ہے کہ نیشنل سیکیورٹی کمیٹی ''نیشنل سیکیورٹی پر اعلیٰ سطح کا فیصلہ ساز ادارہ ہوگی''۔ کمیٹی کی بطور این ایس سی دو بار میٹنگ ہوئی 17۔اپریل 2014 اور 10۔اکتوبر 2014 کو۔

نتیجتاً کمیٹی تقریباً ایک سال چھ ماہ کے عرصہ کے لئے غیر فعال رہی۔ اگلی میٹنگ 6۔اپریل 2016 کو ہوئی۔ تاہم وزیر اعظم آفس کے جاری کردہ پریس ریلیز، جس میں کہا گیا کہ وزیر اعظم نے کیبنٹ کی نیشنل سیکیورٹی کمیٹی کی پانچویں میٹنگ کی صدارت کی، نے بعض سنجیدہ سوالات اٹھائے۔ اس فورم کو کیبنٹ کی کمیٹی کا نام دینا گمراہ کن ہے چونکہ چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی اور تینوں چیفس این ایس سی کے اراکین ہیں مگر وہ فیڈرل کیبنٹ کے اراکین نہ ہیں۔

کمیٹی کی آخری بار میٹنگ 22 جولائی 2016 کو ہوئی۔ اس لئے اگست 2013 میں اپنی تشکیل سے لے کر اب تک بمشکل صرف 6 بار میٹنگ ہوسکی جس کی شرح ہر چھ ماہ بعد ایک میٹنگ بنتی ہے۔

3- Memorandum on Allocation of Functions to the National Security Division, April 09, 2014, Cabinet Secretariat, Government of Pakistan

4۔ ڈیفنس کونسل، کیبنٹ کی ڈیفنس کمیٹی (ڈی سی سی)، نیشنل سیکیورٹی کمیٹی کی پیشرو، کی جانب سے وضع کردہ ڈیفنس پالیسی کو ملٹری پالیسی میں ڈھالنے کی ذمہ دار تھی۔ اس کا فریضہ، ڈی سی سی کو تینوں فورسز کے کردار، سائز اور سٹرکچر کی منظوری کیلئے معائنہ، جائزہ اور سفارش کرنا بھی تھا۔ یہ ڈیفنس میٹریل اور ساز و سامان کی مقامی پیداوار، تحقیق اور فروغ اور استقرائی عمل اور خریداری کیلئے پالیسیاں بھی تشکیل دیتی ہے۔ وفاقی وزیر دفاع نے اس فورم کی صدارت کی جو سول اور ملٹری ماہرین کا مکسچر تھا۔

تفصیلات کے لئے جنرل (ریٹائرڈ) احسان الحق کا تحریر کردہ پلڈاٹ کا ڈسکشن پیپر بعنوان Restructuring Higher Defence Organization of Pakistan ملاحظہ فرمایئے جو اس ویب پتے پر دستیاب ہے:
http://www.pildat.org/Publications/publication/CMR/Restructuring HigherDefenceOrganisationofPakistan_DiscussionPaper.pdf

5۔ آئین پاکستان کا آرٹیکل 147 کہتا ہے کہ ''بلا لحاظ آئین میں شامل کسی امر کے باوجود، کسی صوبے کی حکومت، وفاقی حکومت کی رضامندی سے، کسی ایسے معاملے سے متعلق جو صوبے کے عاملانہ اختیار کے دائرہ میں آتا ہو، کارہائے منصبی یا تو مشروط یا غیر مشروط طور پر، وفاقی حکومت یا اس کے عہدیداروں کے سپرد کر سکے گی''۔

6۔ 16 جون 2015 کو پارٹی کارکنوں کے کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے اپنے پہلو تہی سٹائل میں' جناب آصف علی زرداری نے ایک دھواں دھار تقریر کی جس میں بظاہر فوجی قیادت کو ہدف تنقید بنایا۔ یہ تقریر ممکنہ طور پر کراچی آپریشن میں تیزی کا ردعمل تھی جسے پاکستان پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم دونوں اپنے خلاف سمجھتے ہیں۔ جناب آصف علی زرداری نے کہا:

''ہماری کردار کشی کرنا چھوڑ دو! اگر آپ کی ہم نے کی تو پتہ نہیں پاکستان بننے سے آج تک کتنے جرنیلوں کی شروع ہو جائے گی۔ میں نہیں چاہتا کہ ہمارے انسٹی ٹیوشنز کمزور ہوں اس لئے کہ ہم جانتے ہیں کہ کتنے کورٹس کیسز چل رہے ہیں اور کتنے چلنے والے ہیں جن میں آپ کے ساتھی ملوث ہیں۔ جس دن ہم نے وہ لسٹ لے کر پریس کانفرنس کی تو آپ کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی۔ آپ کمزور ہوتے جا رہے ہیں اس لئے ہم آپ کے شانہ بشانہ کھڑے رہنا چاہتے ہیں۔۔۔۔۔ یہ ہمارا ادارہ ہے۔ آپ نے تو تین سال رہنا ہے ہم نے تو ہمیشہ کیلئے رہنا ہے۔ اس لئے ہمیں تنگ نہ کرو۔ اگر ہمیں تنگ کرنے کی کوشش کی گئی تو ہم بھی آپ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔۔۔۔۔۔ ہم اس وقت آپ کو کمزور نہیں کرنا چاہتے جب ایک سرحد پر آپ کو بھارت کی جانب سے چیلنجز کا سامنا ہے اور دوسری جانب بعض کالعدم تنظیموں کا' جن کے پیچھے ''را'' ہے' اور اس (را) نے اپنے سامنے بلوچستان میں چند بلوچ سرداروں کے بچوں کو رکھا ہوا ہے۔ اس لئے ہوشیار' ہوشیار' ہوشیار اور ہوشیار''

مزید تفصیلات کیلئے' رپورٹ بعنوان Fiery Broadside by Mr. Asif Ali Zardari Against the Military Leadership کے حصہ ''سندھ میں سول ملٹری تناؤ'' کا ذیلی حصہ ملاحظہ فرمائیے۔

7۔ مزید تفصیلات کے لئے رپورٹ بعنوان Pakistan Rangers (Sindh) Acting Beyond 'Mandate and Authority'? کے سندھ میں سول ملٹری تعلقات میں تناؤ کا حصہ ملاحظہ فرمائیے۔

8۔ ایضاً

9۔ مزید تفصیلات کے لئے رپورٹ بعنوان Arrest of PPP's and MQM's Workers کے سندھ میں سول ملٹری تعلقات میں تناؤ کا حصہ ملاحظہ فرمائیے۔

10۔ مزید تفصیلات کے لئے رپورٹ بعنوان Granting of Special Policing Powers to the Pakistan Rangers (Sindh) کے سندھ میں سول ملٹری تناؤ کا حصہ ملاحظہ فرمائیے۔

11۔ مزید تفصیلات کے لئے رپورٹ کا حصہ بعنوان Civil Military Coordination in Balochistan ملاحظہ فرمائیے۔

12۔ مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیے:

http://tribune.com.pk/story/918516/collectivecivilmilitaryapproachneededtomakebalochistanprosperousarmychief

13۔ قومی اسمبلی اور سینیٹ پاکستان کی ویب سائٹ پر دستیاب میٹنگ نوٹسز کے مطابق' سٹینڈنگ کمیٹی برائے داخلہ و دفاع نے نیشنل ایکشن پلان پر ایک بھی میٹنگ منعقد نہیں کی۔

14۔ تفصیلات کے لئے ڈاکٹر حسن عسکری رضوی کا تحریر کردہ پلڈاٹ کا ڈسکشن پیپر بعنوان National Security Council: A Debate on Institutions and Processes for Decision-making on Security Issues. ملاحظہ فرمائیے جو اس ویب پتے پر دستیاب ہے:
http://www.pildat.org/publications/publication/CMR/NaionalSecurityCouncil-debateonInstitutionsandprocessesfordecisionmakingonsecurityissues.pdf

15۔ چیف آف آرمی سٹاف کی یہ بات ریکارڈ پر آئی کہ ''دہشت گردی اور انتہا پسندی کے خلاف جاری جنگ پوری قومی کی حمایت کے ساتھ لڑی جا رہی ہے۔ دیرپا امن اور استحکام اس وقت تک نہیں لایا جا سکتا جب تک کرپشن کے خطرات سے نمٹا نہیں جاتا۔ اس لئے پاکستان کے استحکام' تکمیل اور خوشحالی کیلئے بلا امتیاز احتساب ضروری ہے''۔

تفصیلات کے لئے سول ملٹری تعلقات پر پلڈاٹ کا مانیٹر برائے اپریل 2016 ملاحظہ فرمائیے جو اس ویب پتے پر دستیاب ہے:

http://www.pildat.org/Publications/publication/CMR/MonitoronCivilMilitaryRelationsinPakistan_Apr2016.pdf

16۔ وزیراعظم آفس کی جانب سے جاری کردہ پریس ریلیز کے مطابق ''میٹنگ میں ملک میں نیشنل سکیورٹی کیلئے اٹھائے گئے اقدامات پر بریفنگ دی گئی اور سکیورٹی اداروں کی کاؤنٹر ٹیررزم کوششوں پر اظہار اطمینان کیا گیا''۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیے http://www.dawn.com/news/1250504

17۔ تفصیلات کے لئے 25 جنوری 2016 کو ڈی جی آئی ایس پی آر لیفٹیننٹ جنرل عاصم سلیم باجوہ کی جانب سے جاری کردہ ٹوئٹس ملاحظہ فرمایئے جو اس ویب پتے پر دستیاب ہیں: https://twitter.com/AsimBajwaISPR/status/691535869258383336

18۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمایئے http://www.dawn.com/news/1241750

19۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمایئے http://www.dawn.com/news/1233549

20۔ جنرل راحیل شریف کے دورے اور جناب جو بائیڈن سے ملاقات کے حوالے سے وائٹ ہاؤس کا Read Out ملاحظہ فرمایئے جو اس ویب پتے پر دستیاب ہے:
https://www.whitehouse.gov/thepressoffice/2015/11/19/readoutvicepresidentbidensmeetingpakistanschiefarmystaffgeneral

21۔ آئی ایس پی آر کے بیان میں کہا گیا کہ ''جہاں آرمی چیف نے جاری آپریشن اور انٹیلی جنس بیسڈ آپریشن (آئی۔بی۔اوز) کی کاوشوں اور اثرات کی پراگرس کی تعریف کی ہے' وہاں انہوں نے آپریشن کے دیرپا فوائد کے حصول کیلئے اور ملک بھر میں حوصلہ افزاء امن کیلئے مساوی/تکمیلی گورننس اقدامات کی ضرورت پر زور دیا۔ نیشنل ایکشن پلان پر عملدرآمد کی پیشرفت' فاٹا اصلاحات کو حتمی شکل دینا اور تمام جاری مشترکہ تفتیشی ٹیموں کو ترجیحی بنیادوں پر مکمل کرنے کو ایسے امور گردانا گیا جو آپریشنز کے اثرات کو ضرر پہنچا سکتے ہیں۔''

مکمل بیان اس ویب پتے پر دستیاب ہے:
https://www.ispr.gov.pk/front/main.asp?o=tpress_release&date=2015/11/10

22۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمایئے http://www.dawn.com/news/1215014

23۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمایئے:
http://indianexpress.com/article/explained/ltgeneralnaseerjanjuaaspakistansnsafurtherdiminishespmnawazsharif

24۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمایئے:
http://www.wsj.com/articles/pakistansprecariousdemocracy1445443762

25۔ 5 اگست 2015 کو آئی ایس پی آر کی جاری کردہ پریس ریلیز کے لئے ملاحظہ فرمایئے:
https://www.ispr.gov.pk/front/main.asp?o=tpress_release&date=2015/8/5

26۔ 16 جون 2015 کو پارٹی کارکنوں کے کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے اپنے پہلو تہی سٹائل میں' جناب آصف علی زرداری نے ایک دھواں دھار تقریر کی جس میں بظاہر فوجی قیادت کو ہدف تنقید بنایا۔ یہ تقریر ممکنہ طور پر کراچی آپریشن میں تیزی کا ردعمل تھی جسے پاکستان پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم دونوں اپنے خلاف سمجھتے ہیں۔ جناب آصف علی زرداری نے کہا:

> ''ہماری کردار کشی کرنا چھوڑ دو! اگر آپ کی ہم نے کی تو پتہ نہیں پاکستان بننے سے آج تک کتنے جرنیلوں کی شروع ہو جائے گی۔ میں نہیں چاہتا کہ ہمارے انسٹی ٹیوشنز کمزور ہوں اس لئے کہ ہم جانتے ہیں کہ کتنے کورٹس کیسز چل رہے ہیں اور کتنے چلنے والے ہیں جن میں آپ کے ساتھی ملوث ہیں۔ جس دن ہم نے وہ لسٹ لے کر پریس کانفرنس کی تو آپ کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی۔ آپ کمزور ہوتے جا رہے ہیں اس لئے ہم آپ کے شانہ بشانہ کھڑے رہنا چاہتے ہیں ۔۔۔۔۔ یہ ہمارا ادارہ ہے۔ آپ نے تو تین سال رہنا ہے ہم نے تو ہمیشہ کیلئے رہنا ہے۔ اس لئے ہمیں تنگ نہ کرو۔ اگر ہمیں تنگ کرنے کی کوشش کی گئی تو ہم بھی آپ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے ۔۔۔۔۔۔۔ ہم اس وقت آپ کو کمزور نہیں کرنا چاہتے جب ایک سرحد پر آپ کو بھارت کی جانب سے چیلنجز کا سامنا ہے اور دوسری جانب بعض کالعدم تنظیموں کا' جن کے پیچھے ''را'' ہے' اور اس (را) نے اپنے سامنے بلوچستان میں چند بلوچ سرداروں کے بچوں کو رکھا ہوا ہے۔ اس لئے ہوشیار' ہوشیار' ہوشیار اور ہوشیار۔''

27۔ تفصیلات کے لئے اور جناب آصف علی زرداری کی 16 جون 2015 کی تقریر کے متن کے لئے پلڈاٹ کا مانیٹر برائے سول ملٹری تعلقات برائے جون 2016 ملاحظہ فرمائیے جو اس پتے پر دستیاب ہے:
http://www.pildat.org/Publications/publication/CMR/MonitorOnCivilMilitaryRelationsinPakistan_Jun012015_Jun302015.pdf

28۔ تفصیلات کے لئے پلڈاٹ کا مانیٹر برائے سول ملٹری تعلقات برائے جون 2016 ملاحظہ فرمائیے جو اس پتے پر دستیاب ہے:
http://www.pildat.org/Publications/publication/CMR/MonitorOnCivilMilitaryRelationsinPakistan_Jun012015_Jun302015.pdf

29۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیے http://www.dawn.com/news/1040496

30۔ تفصیلات کے لئے پلڈاٹ کا مانیٹر برائے سول ملٹری تعلقات برائے مارچ 2015 ملاحظہ فرمائیے جو اس پتے پر دستیاب ہے:
http://www.pildat.org/Publications/publication/CMR/MonitorOnCivilMilitaryRelationsinPakistan_Mar012015_Mar312015.pdf

31۔ تفصیلات کے لئے پلڈاٹ کا مانیٹر برائے سول ملٹری تعلقات برائے جون 2016 ملاحظہ فرمائیے جو اس پتے پر دستیاب ہے:
http://www.pildat.org/Publications/publication/CMR/MonitorOnCivilMilitaryRelationsinPakistan_Jun012015_Jun302015.pdf

32۔ ایضاً

33۔ ایضاً

34۔ 13۔ جولائی 2016 کو نیب اور رینجرز کے سادہ کپڑوں میں ملبوس اہلکاران نے حکومتی فنڈز کے غلط استعمال کے الزامات کے سلسلے میں سوالات کیلئے کھرل کو حبس بے جا میں رکھا۔ تاہم ایک انوکھا واقعہ یہ پیش آیا کہ اس کے گارڈز اور سپورٹرز نے نیب اور رینجرز کو قابو کرتے ہوئے نہ صرف کھرل کو آزاد کرا لیا بلکہ سادہ کپڑوں میں ملبوس اہلکاران کو مقامی تھانے میں بھی لے گئے۔ اس کے بارے میں رینجرز نے کنفرم کیا کہ مذکورہ اہلکاران کا تعلق پیراملٹری فورس سے تھا۔ سندھ حکومت نے اس واقعہ کو غلط فہمی کا نام دیا۔ مولا بخش چانڈیو نے بیان دیا کہ اہلکاران سادہ کپڑوں میں ملبوس تھے جس کی وجہ سے غلط فہمی ہوئی کہ کھرل کو اغواء کیا جا رہا ہے۔
اگرچہ اس موقع پر کھرل رینجرز کی تحویل سے کھسک گیا تاہم لاڑکانہ میں اس کے خلاف ایک بھاری سرچ آپریشن کیا گیا۔ آخر کار مورخہ 23۔ جولائی 2016 کو حیدرآباد سے پیراملٹری فورس نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا۔ تاہم اس سلسلے میں اختلافی رپورٹس ہیں جو بیان کرتی ہیں کہ مشتبہ بنیادی طور پر پولیس کی تحویل میں تھا۔ صوبائی وزیر داخلہ سہیل انور سیال کی مشاورت کے بعد اسے رینجرز کے حوالے کیا گیا۔
تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیے:
http://tribune.com.pk/story/1141416/mistakenkidnapperspolicearrestnabrangersmenrescuelarkanaclerk
از راہ کرم یہ ویب سائٹ بھی ملاحظہ فرمائیے:
http://dailytimes.com.pk/sindh/23Jul16/policehandsasadkharaltorangersaftermeetingwithhomeminister

35۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیے:
https://www.geo.tv/latest/109939AsadKharalthejourneyfromaKebabvendortoSindhGovernmentsfrontman

36۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیے:
http://tribune.com.pk/story/1147436/rangersnotactwithoutcmsconsent

37۔ قرارداد کے مطابق:

ا۔ یہ کہ پاکستان رینجرز (سندھ) کے پاس صرف درج ذیل اختیارات ہوں گے:

الف۔ ٹارگٹ کلنگ
ب۔ تاوان/ بھتہ
ج۔ اغواء برائے تاوان
د۔ فرقہ وارانہ قتل

۲۔ یہ کہ کوئی شخص جو دہشت گردی میں براہ راست ملوث تو نہ ہو اور صرف دہشت گردوں کی امداد یا معاونت کرنے پر مشکوک یا کسی طرح دہشت گردوں کی مالی معاونت یا دہشت گردوں کی سہولت کاری میں ملوث ہو، حکومت سندھ یعنی وزیر اعلیٰ کی پیشگی تحریری منظوری کے بغیر استعدادی تحویل میں نہیں رکھا جائے گا۔

۳۔ یہ کہ پاکستان رینجرز (سندھ) حکومت سندھ کے کسی دفتر یا کسی دیگر اتھارٹی پر چھاپے، چیف سیکرٹری، حکومت سندھ کی پیشگی تحریری منظوری کے بغیر نہیں مارے گی۔

۴۔ جیسا کہ مذکورہ بالا ضمن 1 میں مذکور ہے، پاکستان رینجرز (سندھ) سندھ پولیس کے علاوہ دیگر انسٹی ٹیوشن / آرگنائزیشن کی اپنے اقدامات کی تعمیل کیلئے معاونت نہ کرے گی۔

۵۔ یہ کہ مزید وضاحت کی جاتی ہے کہ حکومت سندھ پاکستان رینجرز (سندھ) اور سندھ پولیس کو کوئی اختیارات عطا کرنے سے پہلے درج بالا جملہ شرائط کو زیر غور لائے گی۔

38۔ چند ہفتے پہلے رینجرز نے حیدر آباد میں ایک ٹارگٹڈ آپریشن کیا جہاں انہوں نے متحدہ قومی موومنٹ کی زونل کمیٹی کے تین ورکرز کو گرفتار کیا۔ تفتیش کے بعد سہیل مشہدی، رفیق اجمیری اور راحیل فہیم کو رہا کر دیا گیا۔ دھابیجی، ٹھٹھہ میں رینجرز نے چھاپہ مار کر 10 افراد کو گرفتار کیا جن میں واٹر بورڈ کالونی سے سیاسی پارٹی کے ورکرز بھی شامل تھے۔ شکار پور میں رینجرز اور ڈاکوؤں کے مابین فائرنگ کا تبادلہ ہوا۔ دو رینجرز اہلکاران اس حملے میں ہلاک ہوئے۔
تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمایئے:
https://www.geo.tv/latest/109477RangersextendKarachiOperationtootherpartsofSindh

39۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمایئے:
http://www.samaa.tv/pakistan/2016/07/dgrangersvowstoextendoperationtosindhinterior

40۔ تفصیلات کے لئے پلڈاٹ کا مانیٹر برائے سول ملٹری تعلقات برائے نومبر دسمبر 2015 ملاحظہ فرمایئے جو اس پتے پر دستیاب ہے:
http://www.pildat.org/eventsdel.asp?detid=836

41۔ انسداد دہشت گردی کے قانون 1997 کی دفعہ 4 کی ذیلی دفعہ (3) کی شق (i) کے تحت نوٹیفائیڈ

42۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمایئے:
http://nation.com.pk/national/09May2016/interiorministrynotifiesextensioninrangerspowersforanother77days

43۔ آئین کے آرٹیکل 147 کے تحت

44۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمایئے http://www.dawn.com/news/1256861

45۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمایئے:
http://tribune.com.pk/story/1123701/owaistappiinvolvedeverykindcorruptionallegesdrasim

46۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمایئے:
http://tribune.com.pk/story/1124035/drasimdruggedforcedconfessowaismuzaffarlawyer

47۔ تفصیلات کے لئے پلڈاٹ کا مانیٹر برائے سول ملٹری تعلقات برائے مئی 2016 ملاحظہ فرمایئے جو اس پتے پر دستیاب ہے:
http://www.pildat.org/eventsdel.asp?detid=890

48۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمایئے http://www.dawn.com/news/1050538

49۔ تفصیلات کے لئے پلڈاٹ کا مانیٹر برائے سول ملٹری تعلقات برائے اگست 2015 ملاحظہ فرمایئے جو اس پتے پر دستیاب ہے:
http://www.pildat.org/Publications/publication/CMR/MonitoronCivilMilitaryRelationsinPakistan_Aug2015.pdf

50۔ آئی ایس پی آر کے بیان میں کہا گیا کہ ''جہاں آرمی چیف نے جاری آپریشن اور انٹیلی جنس بیسڈ آپریشن (آئی۔بی۔اوز) کی کاوشوں اور اثرات کی پراگرس کی تعریف کی ہے' وہاں انہوں نے آپریشن کے دیرپا فوائد کے حصول کیلئے اور ملک بھر میں حوصلہ افزاء امن کیلئے مساوی/تکمیلی گورننس اقدامات کی ضرورت پر زور دیا۔ نیشنل ایکشن پلان پر عملدرآمد کی پیشرفت' فاٹا اصلاحات کو حتمی شکل دینا اور تمام جاری مشترکہ تفتیشی ٹیموں کو ترجیحی بنیادوں پر مکمل کرنے کو ایسے امور گردانا گیا جو آپریشنز کے اثرات کو ضرر پہنچا سکتے ہیں۔''مکمل بیان اس ویب پتے پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے:

https://www.ispr.gov.pk/front/main.asp?o=tpress_release&date=2015/11/10

51۔ 11 جنوری 2015 کو وفاقی حکومت نے جواب جاری کیا جس میں کہا گیا کہ ''نیشنل ایکشن پلان پر عملدرآمد ایک مشترکہ ذمہ داری ہے' اور تمام اداروں کو آئین کے دائرے میں رہ کر اپنا کردار ادا کرنا ہے''۔
تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیے:

http://tribune.com.pk/story/989493/governmenttocontinuepursuingnationalactionplanspokesperson

52۔ تفصیلات کے لئے پلڈاٹ کا مانیٹر برائے سول ملٹری تعلقات برائے مارچ 2016 ملاحظہ فرمائیے جو اس پتے پر دستیاب ہے:

http://www.pildat.org/Publications/publication/CMR/MonitoronCivilMilitaryRelationsinPakistan_SpecialIssue_Mar2016.pdf

53۔ ایضاً

54۔ ایضاً

55۔ تفصیلات کے لئے پلڈاٹ کا مانیٹر برائے سول ملٹری تعلقات برائے اپریل 2016 ملاحظہ فرمائیے۔

56۔ تفصیلات کے لئے پلڈاٹ کا مانیٹر برائے سول ملٹری تعلقات برائے اگست 2015 ملاحظہ فرمائیے جو اس پتے پر دستیاب ہے:

http://www.pildat.org/Publications/publication/CMR/MonitoronCivilMilitaryRelationsinPakistan_Aug2015.pdf

57۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیے:

http://www.dawn.com/news/1270214/mysteriousbannersurgingcoastotakeoverputupacrosscountry

58۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیے:

https://www.geo.tv/latest/109329TalkaboutextensionintenureofCOASakintoweakeningZarbeAzbRashid

59۔ ٹویٹ کے لئے ملاحظہ فرمائیے:

https://twitter.com/AsimBajwaISPR/status/752907991104516096

60۔ 3 جنوری 2015 کو آئی ایس پی آر کی جاری کردہ پریس ریلیز کے لئے ملاحظہ فرمائیے:

https://www.ispr.gov.pk/front/main.asp?o=tpress_release&date=2015/1/3

61۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیے:

http://www.dawn.com/news/1263511

62۔ 7 جون 2016 کو آئی ایس پی آر کی جاری کردہ پریس ریلیز کے لئے ملاحظہ فرمائیے:

https://www.ispr.gov.pk/front/main.asp?o=tpress_release&date=2016/6/7

63۔ تفصیلات کے لئے پلڈاٹ کا مانیٹر برائے سول ملٹری تعلقات برائے مئی 2016 ملاحظہ فرمائیے جو اس پتے پر دستیاب ہے:

http://www.pildat.org/eventsdel.asp?detid=890

64۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیے:

http://dailytimes.com.pk/islamabad/26Jun16/pakmilitarycourtsconcludetrialsof105militants

پلڈاٹ

پاکستان انسٹیٹیوٹ آف
لیجسلیٹو ڈویلپمنٹ
اینڈ ٹرانسپیرنسی

اسلام آباد آفس : پی، او، باکس 278، F-8، پوسٹل کوڈ: 44220، اسلام آباد، پاکستان
لاہور آفس: پی، او، باکس 11098، L.C.C.H.S، پوسٹل کوڈ: 54792، لاہور، پاکستان
ای میل: info@pildat.org ویب: www.pildat.org